تعلیم و تربیت
جنوری 2017
نیا عیسوی سال مبارک ہو!

پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا

2017

January

1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30	31				

February

			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28				

March

			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30	31	

April

						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30						

May

	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30	31			

June

				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	

July

						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30	31					

August

		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30	31		

September

					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30

October

1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30	31				

November

			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30		

December

					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30
31						

76 واں سال نواں شمارہ

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا

بچوں کا محبوب رسالہ

جنوری 2017ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

ایک بادشاہ نے اپنے ملک کے فاضل ترین معلم کو بلوایا اور اپنے بیٹے کو اس کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح تو نے اپنے بیٹوں کو لائق فائق بنا دیا ہے، اسی طرح ہمارے فرزند کو بھی ویسا ہی قابل بنا دے۔ معلم نے اس عزت افزائی پر بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور شہزادے کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو گیا۔ خدا نے اسے جس قدر صلاحیت بخشی تھی، شہزادے کی تربیت پر صرف کرتا تھا لیکن چونکہ شہزادہ غبی اور کاہل تھا، اس لیے اس کی کسی بات کو ذہن میں محفوظ نہ کرتا تھا۔ گویا وہ پتھر تھا کہ اس پر بارش تو کافی برستی تھی لیکن وہ پانی کا ایک قطرہ بھی جذب نہ کر سکتا تھا۔

جب ایک سال گزر گیا تو بادشاہ نے اپنے بیٹے کی اہلیت کا اندازہ کرنے کے لیے اس کا امتحان لیا۔ دیکھا تو وہ پہلے کی طرح کورا تھا۔ بادشاہ نے خیال کیا، معلم نے کوتاہی کی ہے۔ چناں چہ اپنے اس خیال کی بناء پر اس نے معلم کو مطعون کیا اور اس پر الزام دھرا کہ تو نے میرے بیٹے کی تعلیم و تربیت پر ویسی محنت نہیں کی جیسی اپنے بیٹوں پر کی ہے۔ معلم نے بہت ادب سے کہا۔ ''حضور والا! کوتاہی میری نہیں بلکہ قصور شہزادے کی استعداد کا ہے۔ اگر یہ بھی ویسا ہی ذہین اور محنتی ہوتا جیسے میرے بیٹے ہیں تو ضرور علم کی دولت سے مالا مال ہوتا۔ قدرت کی نوازشیں تو سب پر یکساں ہوتی ہیں لیکن ہر شخص بقدر ظرف ان سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔'' اگرچہ اصل تمام انسانوں کی ایک ہی ہے، سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں لیکن استعداد کے کم زیادہ ہونے کے باعث ان کی حیثیت میں نمایاں فرق آ جاتا ہے اور اس سے ان کے دنیاوی معاملات بنتے یا بگڑتے ہیں۔

پیارے بچو! آپ سب کو نیا عیسوی سال 2017ء مبارک ہو! اللہ کرے یہ سال سب کے لیے نئی خوشیاں اور مسرتوں کا پیغام لے کر آئے اور آپ تمام سال ہنستے مسکراتے رہیں۔ آمین! نیا سال آیا، نئی امیدیں، نئے ارادے اور نئی زندگی لایا ہے۔ کبھی فرصت کے وقت تنہائی میں بیٹھ کر سوچئے گا کہ آپ نے پچھلے سال کون کون سے اچھے کام کیے تھے اور کون سے برے۔ ان تمام باتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ کوشش کیجیے گا کہ پچھلے سال کے مقابلے میں اس سال آپ کی اچھائیاں کم از کم دوگنی ہوں اور بری بات ایک بھی نہ ہونے پائے۔ عقل مندی کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے آپ کو خود سدھارے، نہ کہ برا وقت اسے سدھرنے پر مجبور کرے۔

پیارے بچو! جب یہ رسالہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا تو اس ماہ سردی زوروں پر ہوگی اور بچوں کے مارے سردی کے دانت سے دانت بج رہے ہوں گے۔ گرمی، سردی، خزاں اور بہار ہمارے ملک کے مشہور موسم ہیں۔ جس طرح موسم رنگ برنگے ہیں، اسی طرح لوگوں کی طبیعتیں بھی رنگ برنگی ہیں۔ کوئی گرمی کو پسند کرتا ہے تو کوئی سردی کو۔ کوئی خزاں کا رسیا ہے تو کوئی بہار کا۔ بہرحال تمام موسم اللہ تعالیٰ کی نعمت اور ملک و قوم پر احسان ہیں۔ لیجیے اس ماہ کا رسالہ پڑھئے اور اپنی تنقید و تجاویز سے آگاہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے اہل خانہ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

فی امان اللہ! (ایڈیٹر)

اس شمارے میں

اور بہت سے دلچسپ خزانے اور لطیفے

ایڈیٹر، پبلشر: ظہیر سلام

اسسٹنٹ ایڈیٹر: عابدہ اصغر

سرکولیشن اسسٹنٹ: محمد بشیر راہی

خط و کتابت کا پتا

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت بذریعہ بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر، ماہنامہ ''تعلیم و تربیت'' 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔
فون: 36361309-36361310 فیکس: 36278816

پرنٹر: ظہیر سلام
مطبوعہ: فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور۔
سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہراہ قائد اعظم، لاہور۔

ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور۔
UAN: 042-111 62 62 62 Fax: 042-36278816
E-mail: tot.tarbiatfs@gmail.com
tot.tarbiatfs@live.com

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک) = 1000 روپے۔
مشرقِ وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔
ایشیا، افریقہ، یورپ (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، مشرقِ بعید (ہوائی ڈاک سے) = 2800 روپے۔

حمد باری تعالیٰ

سب کے مولا سب کے داتا اے کریم
بخش دے سب کی خطائیں یا رحیم

دل کی دُنیا کو بدل دے اے خدا
تو خبیر و تو بصیر و تو علیم

اب تو رحمت کی ہی ہوں بس منتظر
یاس کے بادل سب ہٹا دے اے کلیم

تیری رحمت سے قوی ہوتے ہیں سب
تیری رحمت سے ملے قلبِ سلیم

نعمتیں اور رحمتیں ہر سو تیری
منعموں کو ناز کہ تو ہی تو ہے نعیم

اپنی کوتاہیوں سے کھائے ہیں زخم
پر کم نہ ہوا کبھی تیرا لطفِ عمیم

تجھ کو زیبا ہے ہر اک چارہ گری
تجھ پہ نظر ا رکھتی ہے نسیم

نعیم: نعمت
عمیم: سب پر حاوی
قوی: طاقت ور
بصیر: دیکھنے والا، اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام
زیبا: خوب صورت

نعت رسول مقبول ﷺ

وہ آئے ہوئی دُور ظلمت جہاں کی
انہوں نے بتائی ہیں باتیں ایماں کی

انہی کی محبت سے چمکا ہے عالم
عطا ان کو رحمت ہے کون و مکاں کی

محمدؐ ہمارے ، سبھوں کے محمدؐ
یہ رنگ و نسل کی ہیں باتیں کہاں کی

خدا کے ہیں محبوب نبیوں کے آخر
یہ سچ ہے نہیں بات کوئی گماں کی

مکمل نہیں کی غلامی میں آؤ
یہ سودا کھرا ہے نہ پرواہ ہو جاں کی

کہاں تک ہیں پہنچے انہیں کے دیوانے
علاوہ ازیں ساری باتیں زیاں کی

الٰہی دکھا دے تو روضے کی جالی
نسیم بھولے ہر بات دردِ نہاں کی

ظلمت: اندھیرا
کون و مکاں: دنیا
زیاں: نقصان
گماں: شک
نہاں: چھپا ہوا

ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ چکی پیس پیس کر آپؓ کے ہاتھوں پر نشانات پڑ چکے تھے۔ تشریف آوری کا مقصد اپنی تکلیف ظاہر کر کے خدمت کے لیے کوئی خادم طلب کرنا تھا۔ جب حضرت فاطمہؓ نبی پاکؐ کے دولت کدہ پر پہنچیں تو وہاں آپؐ تشریف نہ رکھتے تھے، لہٰذا ملاقات نہ ہو سکی۔ حضرت فاطمہؓ اپنی درخواست حضرت عائشہؓ سے کہہ آئیں۔ جب نبی پاکؐ واپس تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ صاحبزادی حضرت فاطمہؓ تشریف لائی تھیں اور وہ کہہ گئی ہیں کہ مجھے چکی پیسنے کی وجہ سے تکلیف ہے، اس لیے اگر خدمت کے لیے کوئی خادم مل جائے تو مجھے اس محنت کے کام سے نجات مل جائے گی۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہ بات سن کر آپؐ رات کو ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہمارے قریب بیٹھ گئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں جس کا تم نے سوال کیا ہے۔ تم ایسا کیا کرو کہ (رات کو) سونے کے لیے بستر پر لیٹو تو 33 مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ، 33 مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور 34 مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھ لیا کرو، یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔

(بخاری، کتاب الدعوات: 6318، مسلم، کتاب الذکر: 2727)

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب سے میں نے یہ وظیفہ حضور اقدسؐ سے سنا ہے کبھی اس کو ترک نہیں کیا، البتہ جنگِ صفین کے موقع میں بھول گیا تھا۔ پھر آخر رات میں یاد آیا تو ان کلمات کو پڑھ لیا۔

(ابو داود، کتاب الادب: 5064)

مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدسؐ نے حضرت فاطمہؓ کو اس موقع پر (فرض) نماز کے بعد بھی یہ تسبیحات پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا۔

فرض نماز کے بعد ان تسبیحات کو پڑھنے کی مزید کیا فضیلت ہے، اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مہاجر صحابہؓ جو حاجت مند تھے، نبی پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مال والے تو بڑے درجات اور ہمیشہ کی نعمتیں لے اُڑے اور ہم محروم رہ گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ کیسے؟ عرض کیا کہ وہ بھی نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں اور وہ روزہ رکھتے ہیں جیسے ہم روزہ رکھتے ہیں۔ وہ صدقہ کرتے ہیں ہم صدقہ نہیں کرتے اور وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم غلام آزاد نہیں کرتے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتا دوں کہ اس کی وجہ سے تم ان لوگوں کے برابر ہو جاؤ گے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، اور ان سے آگے بڑھ جاؤ گے جو تمہارے بعد ہوں گے اور کوئی تم سے افضل نہ ہو گا، علاوہ ان لوگوں کے جو تمہارے جیسا عمل کر لے۔ ان حضرات نے کہا: ''جی ہاں! ارشاد فرمایئے۔'' نبی پاکؐ نے فرمایا: ''ہر فرض نماز کے بعد 33 مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ، 33 مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور 34 مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھ لیا کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ حضرات (خوشی خوشی) چلے گئے، پھر آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے مال دار بھائیوں نے بھی اس کو سن لیا اور اس پر عمل کر لیا، لہٰذا ہم پھر پیچھے رہ گئے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے۔

(مسلم، کتاب المساجد: 595)

پیارے بچو! چوں کہ نبی پاکؐ نے اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہؓ کو یہ تسبیحات بتائی تھیں، اس لیے ان تسبیحات کو ''تسبیحاتِ فاطمہ'' کہا جاتا ہے۔ چوں کہ نبی پاکؐ نے خادم دینے کے بجائے سوتے وقت ان تسبیحات کے پڑھنے کا ارشاد فرمایا تھا، اس لیے سوتے وقت ان کے پڑھنے سے ایک طرح کی قوت حاصل ہوتی ہے اور دن بھر کی محنت اور کام کاج کی تھکن دُور ہو جاتی ہے۔ ☆☆☆

پہاڑی درّے کے اس پار سرسبز گھاس کا ایک بہت بڑا میدان تھا۔ وہ سب اس میدان میں موجود تھے۔ میدان کے دوسری طرف جنگل تھا اور وہ اس جنگل سے آئے تھے۔ تفریح کے ساتھ ساتھ وہ گھاس پر بھی منہ چلا رہے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ شوخ شکابل تھا۔ وہ ابھی نو عمر تھا۔ کھانے سے زیادہ اس کا دھیان کھیلنے میں تھا۔ اس وقت وہ ایک تتلی کا تعاقب کر رہا تھا۔ ایسے میں اس نے ایک منظر دیکھا۔ وہ چونک پڑا۔ ایسا منظر اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ چند گھڑ سوار پہاڑی درّے سے میدان میں داخل ہوئے۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' شکابل نے سوچا۔ پھر وہ دوڑ کر اپنے ساتھیوں کے پاس چلا آیا۔ ان میں اس کی امی اور ابو بھی موجود تھے۔ وہ بھی ہوشیار ہو چکے تھے۔

''خطرناک مخلوق آ پہنچی ہے...... بھاگو...... جو پکڑا گیا یہ اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اور جو گیا...... وہ کبھی واپس نہیں لوٹتا۔''

یہ بات سن کر شکابل تو ڈر گیا، اب ان سب نے مل کر دوڑ لگا دی۔ عجیب منظر تھا، گھوڑوں کے پیچھے گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ جو جان بچا کر بھاگ رہے تھے۔ وہ جنگلی گھوڑے تھے اور جو پیچھا کر رہے تھے، وہ پالتو گھوڑے تھے۔ یہ پالتو گھوڑے خود پر سوار اپنے مالک کا حکم ماننے پر مجبور تھے۔ گھڑ سواروں کے ہاتھوں میں مضبوط رسّی کی کمندیں تھیں۔ شکابل نو عمر تھا، کمزور تھا، وہ پیچھے رہ گیا۔ اب ایک گھڑ سوار نے تاک کر کمند پھینکی، اس کا نشانہ غضب کا تھا۔ کمند شکابل کی گردن میں پھنس گئی۔ اب گھڑ سوار رُک گئے۔ شکابل کے امی ابو اور دوسرے ساتھی جنگل میں چلے گئے تھے۔ شکابل اس کمند سے آزاد ہونے کے لیے پورا زور لگا رہا تھا۔ وہ ہنہناتے ہوئے اپنی اگلی ٹانگیں اٹھا رہا تھا مگر اسے پکڑنے والے بہت ماہر تھے۔ شاید یہی ان کا فن تھا۔ انہوں نے جلد ہی شکابل پر قابو پا لیا۔

''چلو! اب واپس چلتے ہیں۔ ہم اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔'' شکابل کو پکڑنے والے بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ اب ان کا پہاڑی درّے کی طرف سفر شروع ہوا۔ شکابل اپنی گردن گھما کر بار بار جنگل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جنگل میں اس کی امی اور ابو اداس

نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ان کے بزرگ بتاتے تھے کہ جو ایک بار چلا گیا وہ پھر کبھی واپس لوٹ کر نہیں آیا۔ غم کی وجہ سے وہ دل ہی دل میں رو رہے تھے۔ ان کا بچہ ان سے چھین لیا گیا تھا۔

پہاڑی درّے سے نکل کر یہ قافلہ انسانی بستی کی طرف روانہ ہوا۔ پھر وہ سب ایک حویلی کے سامنے پہنچے۔ پہرے داروں نے حویلی کا جہازی سائز دروازہ کھول دیا۔ دوسری طرف طویل راہ داری تھی۔ اب وہ گھوڑوں سے اُتر آئے تھے۔ سامنے اس ریاست کا نواب ایک تخت پر بیٹھا نظر آ رہا تھا۔

''لیجیے، نواب صاحب! ہم آپ کے لیے تحفہ لائے ہیں۔''

نواب مسکرایا اور شکابل کی قیمت ان کے حوالے کردی۔ نواب کو شکابل بہت پسند آیا تھا۔

''شکریہ، نواب صاحب...... مگر خیال رہے، یہ جنگلی ہے، وحشی ہے۔''

''فکر مت کرو...... ہمارے پاس گھوڑوں کو سدھانے کے لیے تربیت کار موجود ہے۔'' اب شکابل کو اصطبل میں بند کر دیا گیا۔ شکابل اداس تھا، اسے غصہ بھی آ رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسے قید کیوں کیا گیا ہے۔ یہاں اس جیسے اور بھی بہت سے جوان گھوڑے موجود تھے۔ وہ سب کے سب پالتو تھے۔ شکابل کی آمد انہیں ناگوار محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ہنہنا کر اپنی ناراضی کا اظہار کر رہے تھے۔ ان گھوڑوں کی خدمت اور حفاظت پر چند ملازم مامور تھے۔ انہوں نے شکابل کے سامنے بھی راتب ڈال دیا تھا مگر شکابل کا کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

تھوڑی دیر گزری تو شکابل نے دیکھا، ایک نوعمر لڑکی اصطبل میں داخل ہوئی۔ اسے دیکھ کر تمام ملازموں نے احترام سے سر جھکا لیا۔ اس لڑکی کا نام سونیا تھا۔ وہ نواب کی بیٹی تھی۔ جب شکابل کو حویلی میں لایا گیا تھا تو سونیا اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے گھوڑے کا یہ بچہ بہت پیارا لگا تھا۔

جوان گھوڑے سے تو اسے ڈر لگتا تھا مگر اس نوعمر گھوڑے کے ساتھ دوستی کی جا سکتی تھی۔ وہ شکابل کے پاس چلی آئی۔

''سونیا رُک جاؤ...... یہ جنگلی ہے۔'' ایک ملازم نے اسے خبردار کیا۔

''خاموش رہو...... یہ بچہ ہے۔'' اب وہ شکابل کے بالکل سامنے پہنچ کر رُک گئی۔ اس نے شکابل کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ شکابل نے نتھنے پھیلا کر ناگواری کا اظہار کیا مگر سونیا ڈری نہیں تھی، اس نے اپنی انگلیوں سے شکابل کی پیشانی چھو لی۔ اب تو شکابل کو غصہ آ گیا۔ وہ ہنہنایا اور اس نے اپنی اگلی ٹانگیں اُٹھا لیں۔ وہ سونیا کو زوردار ضرب لگانا چاہتا تھا۔ خوف سے سونیا کی چیخ نکل گئی۔

پہرے دار پہلے ہی ہوشیار کھڑے تھے۔ ایک نے سونیا کو پکڑ لیا۔ دوسرا ملازم شکابل پر کوڑے برسانے لگا۔ شکابل کو زندگی میں پہلی بار درد کا احساس ہوا۔ درد اتنا تکلیف دہ تھا کہ وہ ایک کونے میں سمٹ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے تھے۔

''سونیا! آپ سے کہا تھا ناں کہ یہ جنگلی ہے۔'' ایک ملازم بولا۔

''ایک معصوم اور بے زبان جانور کو تم نے کیوں مارا؟'' سونیا دکھ سے بولی اور پھر پیر پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

''عجیب احمق لڑکی ہے۔ ہم نے اس کی جان بچائی اور یہ ہمیں ہی ڈانٹ رہی ہے۔'' اب ملازم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ سونیا پھر سے واپس آتی نظر آئی۔ اس بار اس کے ہاتھ میں ایک برتن تھا۔ ملازموں نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر پھر پیچھے ہٹ گئے۔ ہاں، وہ پوری طرح چوکنے تھے۔ سونیا شکابل کے پاس آئی۔ شکابل سر جھکائے کھڑا تھا۔ پھر سونیا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ چابکوں کی برسات سے شکابل کے پورے جسم پر زخموں کے نشانات بن گئے تھے۔ کھال پر سے بال جھڑ چکے تھے۔

''آہ! میرا معصوم دوست......'' سونیا کے ہاتھ میں جو برتن تھا اس میں سے زخموں پر دوا کا لیپ لگا رہی تھی۔ جہاں جہاں دوا لگتی تھی، شکابل کو راحت کا احساس ہوتا تھا۔ شکابل کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ لڑکی اس کی دشمن نہیں ہوسکتی۔ زخموں پر مرہم لگانے کے بعد سونیا پلٹی اور تیز لہجے میں بولی۔

''خبردار! جو اب کسی نے میرے دوست کے ساتھ ظلم کیا۔'' شکابل نے نتھنوں سے ہوا نکالی۔

''فکر مت کرو۔ اب کوئی تم سے کچھ نہیں کہے گا۔'' اس بار سونیا نے شکابل سے بات کی۔ اور اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا۔ اب کی بار شکابل کو سونیا کا چھولینا ناگوار محسوس نہیں ہوا تھا بلکہ وہ پیار سے ہنہنایا تھا اور ساتھ میں اپنی دم بھی ہلائی تھی۔

اگلے دن حویلی کے صحن میں شکابل کی تربیت کا مرحلہ شروع ہوا۔ تربیت کار اپنے فن میں ماہر آدمی تھا مگر شکابل اس کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ پالتو نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ ہنہناتے ہوئے اپنی اگلی ٹانگیں اُٹھا کر تربیت کار پر حملہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نواب اپنے تخت پر بیٹھا دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ ایسے میں سونیا چلی آئی۔ جانے کیوں اسے شکابل سے اُنس ہوگیا تھا۔ سونیا کو دیکھتے ہی شکابل رام ہوگیا۔ شکابل کا یہ انداز دیکھ کر تربیت کار حیران رہ گیا۔ سونیا نے شکابل کی پیشانی سہلائی۔

''کیوں ناراض ہو...... چلو شاباش مان جاؤ......'' اب سونیا اپنے ہاتھ سے شکابل کی پیٹھ سہلا رہی تھی۔ پیار بھرا لمس شکابل کو اچھا لگ رہا تھا۔

''اگر تم پسند کرو تو میں تم پر سوار ہو جاؤں۔'' شکابل نے ناراضی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ سونیا شکابل پر سوار ہوگئی۔ اب تو نواب کی حیرت کا عالم بھی دیکھنے والا تھا۔ سونیا شکابل پر سوار تھی اور شکابل بڑی شان سے حویلی کے صحن میں دلکی چال چل رہا تھا۔ تربیت کار اس بات کو سمجھ چکا تھا کہ جنگلی جانور کو بھی جبر کے بجائے پیار سے رام کیا جا سکتا ہے۔ اب شکابل سونیا کے حوالے کردیا گیا۔ سونیا اپنی فرصت کا وقت شکابل کے ساتھ گزارتی۔ اکثر وہ شکابل پر سوار ہو کر اپنی ریاست کی سیر کرنے نکل جاتی۔ جب شکابل پہاڑی درّے کی طرف جانے والے راستے پر پہنچتا تو رُک جاتا۔ وہ حسرت سے اس راستے کو دیکھتا۔ سونیا درد دل رکھنے والی لڑکی تھی۔ وہ شکابل کے جذبات سمجھتی تھی۔ اسے اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ سوداگروں نے اسے جنگل سے پکڑا تھا اور پھر اس کے ابو کے پاس فروخت کردیا تھا۔ وہ اکثر شکابل سے باتیں کرتی تھی۔

''میں تمہاری اداسی کی وجہ جانتی ہوں...... تم جنگل میں آزاد زندگی بسر کر رہے تھے مگر تمہیں پالتو بنا لیا گیا۔ تمہیں اپنا قبیلہ تو یاد آتا ہی ہوگا۔ اپنی امی اور ابو بھی یاد آتے ہوں گے......''

شکابل ہنہنا کر اثبات میں سر ہلاتا۔ سونیا کا اندازہ درست تھا۔ شکابل اکثر رات کو اپنی امی کو یاد کر کے روتا تھا۔ اگلی صبح سونیا اس کی آنکھوں کے نیچے آنسوؤں کی لکیریں دیکھ کر پریشان ہوجاتی تھی۔

شکابل کو پالتو بنے چھ ماہ گزر چکے تھے۔ ایک دن سونیا شکابل کے ہمراہ ریاست کی سیر کو نکلی۔ پہاڑی درّے کی طرف جانے والے راستے پر پہنچ کر حسب عادت شکابل رُک گیا۔ سونیا شکابل پر سے نیچے اُتر آئی۔ سونیا نے شکابل کی لگام ہٹا دی اور زین اُتار کر نیچے پھینک دی تھی۔ شکابل حیران تھا۔

''جاؤ دوست...... اب تم آزاد ہو، اپنے قبیلے میں واپس چلے جاؤ۔'' خود کو بندشوں سے آزاد پا کر شکابل ساری بات سمجھ گیا تھا۔

اس نے پہاڑی درّے کی طرف قدم بڑھائے مگر پھر پلٹ کر سونیا کی طرف دیکھا۔ سونیا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اسے اپنے دوست سے جدا ہونے کا غم ستا رہا تھا۔

''جاؤ دوست...... اس سے پہلے کہ پہرے دار آ جائیں بھاگ جاؤ۔'' اب شکابل نے دوڑ لگا دی۔ وہ شاید پہلا گھوڑا تھا جو اپنے قبیلے کی طرف واپس لوٹ رہا تھا اور ایسا سونیا کی رحم دلی کی وجہ سے ممکن ہوا تھا۔ شکابل ہوا سے باتیں کر رہا تھا مگر اسے سونیا کا اپنے ساتھ کیا اچھا سلوک بھی یاد آ رہا تھا۔ اس کا دل بے چین تھا۔ پھر وہ پہاڑی درّہ عبور کر گیا۔ سامنے گھاس کا میدان تھا اور بہت دُور جنگل بھی نظر آ رہا تھا۔ میدان میں دوڑتے ہوئے اس نے جلد ہی اپنے قبیلے کے گھوڑے دیکھ لیے۔ اس کی آمد کا احساس اس کے قبیلے والوں کو بھی ہو چکا تھا۔ اگر شکابل پر کوئی سوار ہوتا تو شاید وہ سب بھاگ جاتے مگر وہ تو دُور سے ان جیسا ہی نظر آ رہا تھا۔ جلد ہی شکابل ان کے قریب پہنچ گیا۔ پہلے تو انہوں نے شکابل کو پہچانا ہی نہیں مگر شکابل نے اپنی امی کو پہچان لیا تھا۔ وہ امی کے پاس آیا اور نتھنوں سے ہوا نکالی۔ امی نے شکابل کے جسم کی مہک محسوس کی۔

''میرا بچہ......'' اس نے بھی اپنے بیٹے کو پہچان لیا تھا۔ پھر تو پورے قبیلے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی مگر جانے کیوں...... شکابل اداس تھا۔ اسے سونیا یاد آ رہی تھی۔ وہ اچھے سلوک کے کچے دھاگوں سے بندھ چکا تھا۔ وہ بار بار سر گھما کر پہاڑی درّے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیا کوئی خطرہ ہے بیٹا......'' امی نے شکابل سے پوچھا۔

''خطرہ اس طرف سے آیا تھا امی اور اب مجھے خود سے ڈر لگ رہا ہے۔''

''میں کچھ نہیں سمجھی......''

''میں جنگلی تھا، امی اس نے اپنے اچھے سلوک اور پیار سے مجھے پالتو بنا لیا۔ میری خوشی کے لیے اس نے مجھے آزاد کر دیا اور اب آزاد ہونے کے باوجود مجھے خوشی نہیں ہو رہی۔''

''اب تو مجھے تم سے ڈر لگنے لگا ہے۔'' امی پریشان ہو کر بولی۔

''امی...... مجھے جانا ہوگا۔ جب اس نے مجھے رخصت کیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ میری دوست ہے اور میں اپنے دوست کی خوشی اپنی آزادی کے لیے غم زدہ نہیں کر سکتا...... میں جا رہا ہوں امی...... میں جا رہا ہوں......'' اس کے قبیلے والے اسے پکار رہے تھے اور وہ پہاڑی درّے کی طرف بھاگا چلا جا رہا تھا جہاں سونیا اس کی منتظر تھی۔

وہ حویلی کے سامنے پہنچا تو پہرے داروں نے اسے دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ دوڑتا ہوا صحن میں پہنچا اور پھر زور سے ہنہنایا۔ شکابل کی آواز سن کر گھر کے تمام افراد دوڑے چلے آئے۔ سونیا نے انہیں ساری بات بتا دی تھی۔ ابو نے اسے ڈانٹا بھی تھا اور اس وقت سونیا اپنے کمرے میں بیٹھی رو رہی تھی۔ ابو کی ڈانٹ کی وجہ سے نہیں، اپنے دوست کو کھو دینے کے غم سے وہ رو رہی تھی اور اب گھر کے تمام افراد شکابل کے لوٹ آنے پر حیرت زدہ تھے۔ سونیا نے بھی شکابل کی آواز سن لی تھی۔ وہ اپنے کمرے سے نکلی اور دوڑتے ہوئے شکابل کی طرف دوڑی اور پھر اس کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال دیں۔

''میں جانتی تھی کہ تم لوٹ آؤ گے۔'' سونیا بولی۔ شکابل ہولے سے ہنہنایا جیسے کہہ رہا ہو۔

''آپ کے حسنِ سلوک نے مجھے جنگلی سے پالتو بننے پر مجبور کر دیا ہے۔'' سونیا روتے روتے ہنس پڑی تھی یوں جیسے اس نے شکابل کی بات سمجھ لی ہو۔ ☆☆☆

☆ **اچھی باتیں**: کام یابی کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے، ہم اسے بہترین انداز میں استعمال کریں۔ کام یابی عمل کرنے میں ہے، حاصل کرنے میں نہیں۔ کوشش کرنے میں ہے، فتح کرنے میں نہیں۔ (وائن ڈیوس)

☆ **اتفاق نہیں انتخاب**: خداوند کسی سے یہ نہیں پوچھتا کہ وہ زندگی کو قبول کرے گا۔ یہ انتخاب نہیں ہوتا۔ تمہیں اسے ہر صورت میں قبول کرنا ہے۔ واحد انتخاب یہ ہے کہ اسے ''کس طرح'' لینا ہے۔ (ہنری وارڈ بیچر)

☆ **عادت ...... ہر کام یابی کی کنجی**: سچ تو یہ ہے کہ ہر کام یاب ہونے والے اور ناکام ہونے والے کے درمیان واحد فرق ان کی عادات کا ہوتا ہے۔ (اوگ مینڈینو)

☆ **شکر گزاری ...... بہترین عادت**: جو کچھ تمہارے پاس نہیں ہے، اس کا شکوہ مت کرو...... جو کچھ تمہارے پاس ہے، اس کا لطف اُٹھاؤ۔ (ایچ جیکسن براؤن جونیئر)

(صباحت فاطمہ، حویلی لکھا)

نیا سال آیا
ہر اک فرد خوش ہے ہر اک دل ہے شاداں
چمن میں ہر اک سو بہاریں ہیں رقصاں
نہیں بھول سکتے خدا کا یہ احساں
کہ جس نے ہمیں آج یہ دن دکھایا
مبارک ہو بچو! نیا سال آیا
نئے سال کی آج خوشیاں مناؤ
کدورت، عداوت کو اب بھول جاؤ
محبت کرو، خوش رہو، مسکراؤ
سبھی نے یہ میٹھے سروں میں ہے گایا
مبارک ہو بچو! نیا سال آیا
اُجالا ہے، تنویر ہے، روشنی ہے
ہر اک سمت ہر سو خوشی ہی خوشی ہے
ہر اک شے پہ جیسے نئی زندگی ہے
نیا سال خوشیوں کو ہے ساتھ لایا
مبارک ہو بچو! نیا سال آیا
کرو عہد دل سے کہ محنت کرو گے
بڑوں کی دل و جاں سے عزت کرو گے
اور اپنے خدا کی عبادت کرو گے
کہ ہم سب پہ ہے جس کی رحمت کا سایا
مبارک ہو بچو! نیا سال آیا
حامد احسن حامد امرتسری

پیارے اللہ کے پیارے نام

دانش علی نواب شاہی

اَلْعَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ (بہت بلند و بالا)

اَلْعَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جس کے رتبے سے بڑا کسی کا رتبہ نہیں ہے۔ تشریح: قرآن کریم میں مبارک نام آٹھ مرتبہ آیا ہے۔

اللہ تعالٰی ہر مخلوق سے برتر ہے۔ اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ وہ ہماری ہر تعریف سے بلند و بالا ہے۔ اس کی تعریف بیان کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ اس کا مرتبہ ہر ایک سے بلند ہے۔ وہ عالی شان ہے اور ہر عیب سے پاک ہے۔

چار مبارک نام

ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو ایک مشکل پیش آئی تو انہوں نے اللہ تعالٰی کے چار ناموں کے واسطے سے دعا فرمائی، اللہ تعالٰی نے وہ دعا فوراً قبول فرمائی۔

وہ چار نام یہ ہیں: یَا عَلِیْمُ، یَا حَلِیْمُ، یَا عَلِیُّ، یَا عَظِیْمُ!

پیاسا لشکر

ایک صحابی حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ ایک لشکر کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ قافلے والوں کو سخت پیاس لگی اور پانی ان کے پاس نہ تھا۔ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور ان ناموں کے ذریعے یوں دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ یَا عَلِیْمُ، یَا حَلِیْمُ، یَا عَلِیُّ، یَا عَظِیْمُ!

دعا مانگ کر تھوڑا ہی آگے چلے تھے کہ بارش کے پانی کی نہر دیکھی جس کا پانی اُچھل رہا تھا۔ سارے لشکر نے یہ پانی استعمال کیا، اپنے برتن بھی بھر لیے اور پھر آگے چل دیے۔

دو چوٹیاں

کوہ ہندوکش طویل و عریض پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ پہاڑ برف سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ پہاڑوں کے درمیان بنے ہوئے خطرناک راستوں سے جب کوئی بس جاتی تو بس سے نیچے کی طرف جھانکتے تو نیچے بہت نیچے ''شرر......شرر......'' کرتا دریا موجیں مارتا دکھائی دیتا تھا۔ پہاڑوں سے لڑھک کر گری ہوئی دیوہیکل چٹانیں چیونٹیوں کی طرح نظر آتی تھیں اور جب کھڑکی سے پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف دیکھتے تو ان کی بلندی دیکھ کر دل دہل جاتا تھا۔ بادل بھی پہاڑوں سے نیچے تھے۔ کئی سو میل پر پھیلے پہاڑ کی دو چوٹیاں سب پہاڑوں سے اونچی تھیں۔ پہاڑ کی ایک چوٹی کا نام ''فلک بوس'' تھا جب کہ دوسری چوٹی کا نام ''بلندی'' تھا۔

دونوں چوٹیاں ہمسایہ چوٹیاں تھیں اور انہیں اپنی بلندی پر بڑا ناز تھا۔

دونوں چوٹیاں آپس میں کب سے باتیں کر رہی تھیں۔
''اے بلندی پڑوسن! دیکھو آج کتنے بڑے بڑے بادل بھی ہم سے نیچے چل رہے ہیں۔''
''فلک بوس'' چوٹی نے کہا۔
''ہم ہیں جو''بلند ترین.....''
''بلندی'' چوٹی نے اتراتے ہوئے جواب دیا۔
''اور وہ دیکھو دریا بھی کیسے زمین سے چمٹ کر بہہ رہا ہے۔''
''فلک بوس'' نے دریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
اے ''فلک بوس'' بہنا! مجھے آج بادل بتا کر گیا ہے کہ کچھ لوگ ہماری چوٹیوں کو سر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔
''نہیں ''بلندی'' بہن! ہم تک گردوغبار کا آوارہ ذرّہ تک نہیں پہنچ پاتا، وہ کیسے پہنچیں گے۔ لگتا ہے انہیں اپنی جان پیاری نہیں ہے۔'' ''فلک بوس'' چوٹی نے فخر سے کہا۔
''اور مجھے ہوا نے بتایا کہ ایک ماہ پہلے جو ہم سے نیچے کے پہاڑوں میں ہیلی کا پٹر تباہ ہوا تھا، اس کا بھی ابھی تک کچھ پتا نہیں چل سکا۔''
''فلک بوس'' اور ''بلندی'' چوٹیاں کافی دیر سے اپنی اونچائی پر فخر کر رہی تھیں کہ اچانک انہیں ہنسنے کی آواز آئی۔ وہ چکرا گئیں کہ یہاں کون ہو سکتا ہے؟ ان تک پہنچنا تو کسی کے بھی بس کی بات نہیں۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں، لیکن انہیں کچھ نظر نہ آیا۔
ہنسی کی آواز پھر آئی اور مسلسل آتی چلی گئی۔
''فلک بوس'' پڑوسن! لگتا ہے، کوئی دشمن آ گیا ہے۔'' ''بلندی'' بھی ڈرنے لگی۔
''بس ذرا سی بات پر ڈر گئیں۔'' یہ آواز آئی تو دونوں سہم گئیں۔
''کنوئیں کی مینڈ کیو! یہاں دیکھو۔'' مارے خوف کے وہ کانپنے لگیں۔
''تمہارے نام کس بے وقوف نے ''فلک بوس'' اور ''بلندی'' رکھے۔ تم صرف نام کی ''فلک بوس'' اور ''بلندی'' ہو۔''
''ن......ن......نہیں۔ ہم ''فلک بوس'' اور ''بلندی'' نہیں۔'' وہ نیچے کی طرف دیکھتیں تو میلوں تک کسی کا نام و نشان تک نہ تھا۔
''اوپر دیکھو! تم سے اوپر بھی کوئی ہے۔'' انہوں نے اوپر دیکھا تو آسمان ان سے باتیں کر رہا تھا۔ انھوں نے آج تک آسمان کی طرف دیکھا ہی نہ تھا جو ان سے بھی بلند و بالا تھا۔
''فلک بوس'' اور ''بلندی'' اتنا فخر مت کرو، غرور مت کرو! میں تم سے بھی بلند ہوں۔ مجھ تک کسی کی رسائی ممکن ہی نہیں، لیکن پھر بھی مجھے اپنی بلندی پر ناز نہیں۔ بس میں تمہاری باتیں سن کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی بلندی پر ناز مت کرو۔ بلند و بالا ہے تو صرف ایک رب ہے جو ہر ایک سے بلند و بالا ہے اور وہ ہے ''اَلْعَلِیُّ جَلَّ جَلالُهٗ'' جو بہت بلند و بالا ہے۔ اس کی کوئی مثال نہیں۔
آسمان کی بلندی نے انھیں آئینہ دکھایا تو انہیں سخت شرمندگی ہوئی کہ ہم کس بلندی کے دھوکے میں پھنس گئیں۔ بلند و بالا تو صرف ایک ہی ذات ہے۔
یہ کہتے ہی وہ دونوں سجدہ ریز ہو گئیں۔

آسمانی تسبیح

حضور ﷺ جب معراج کے موقع پر آسمان پر تشریف لے گئے تھے تو وہاں یہ تسبیحات سنی تھیں:
''سُبْحَانَ الْعَلِیِّ الْاَعْلٰی سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی''
ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو بلند ہے، سب سے برتر، پاک اور عالی شان ہے۔

یاد رکھنے کی باتیں

۱۔ مبارک نام سے ہمیں یہ سبق ملا کہ اپنی بڑائی پر یا جو نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے اس پر اترانا نہیں چاہیے، بلکہ صرف اسی ایک ذات کی بڑائی دل میں ہو۔
۲۔ اس کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب سے بلند و بالا ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اسی سے اُمید رکھی جائے۔ وہی ہر امید کو پورا کرنے والا ہے۔
۳۔ جب بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں تو اس کے ناموں کے واسطے سے مانگیں، جس طرح حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے ان چار ناموں کے واسطے سے دعا مانگی۔

☆☆☆

"سنیے تو...!"

"کیا بات ہے؟" وہ غصے سے بولا۔ کل شام سے ہی اس کا مزاج بگڑا ہوا تھا۔

"آپ کی جیب سے دس ہزار روپے نکلے ہیں۔"

"کیا...؟" وہ چیخ پڑا۔ اپنی بیوی کے ہاتھ میں یہ رقم دیکھ کر وہ یوں اُچھلا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ پھر وہ ساکت ہو گیا۔ صدمے کی شدت سے جیسے وہ بات کرنا ہی بھول گیا ہو۔ پھر وہ اُٹھا اور بیرونی دروازے کی جانب بھاگا۔

"سنیے تو... کہاں چل دیئے، جوتے تو پہن لیں۔" اس کی بیوی اسے آواز دے رہی تھی مگر اب وہ بات کرنے کے قابل تھا، نہ ہی بات سننے کے قابل تھا۔

راشد آج بہت خوش تھا، اس کا خواب پورا ہونے والا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بہت سے نوٹ تھے۔ اس نے دوبارہ گن کر پیسے جیب میں رکھ لیے۔ وہ پورے آٹھ ہزار روپے تھے۔ اس نے یہ رقم بڑی مشکل سے جمع کی تھی۔

راشد ایک ورکشاپ پہ کام کرتا تھا۔ پہلے تو اسے کچھ نہ ملتا مگر اب وہ کاریگر بن چکا تھا اور اسے اب تین سو روپے روزانہ بطور اجرت ملا کرتے۔ اس کے دو بہن بھائی، بوڑھی ماں اور بیوی تھی۔ باپ دو برس پہلے کینسر کا شکار ہو کر ابدی نیند سو چکا تھا۔ ورکشاپ کافی دُور تھی، اس لیے راشد آتے جاتے ہوئے بُری طرح تھک جاتا تھا۔ گھر کی ساری ذمہ داری اسی پر تھی۔ اس لیے اس نے سوچا تھا، وہ تھوڑے تھوڑے پیسے پس انداز کرتے ہوئے اتنی رقم جمع کرلے کہ ایک سائیکل لے سکے۔ پُرانی سائیکل کم قیمت پر مل جاتی مگر اسے ماں کی وہ بات ازبر تھی کہ بیٹا استعمال شدہ چیز انتہائی مجبوری کے سوا کبھی نہ خریدو، کیا پتا وہ کیسی ہو اور اس میں جانے کیا کیا خرابیاں ہوں۔ اس نے مستقل مزاجی سے رقم جمع کرنا شروع کردی۔ وہ فضول خرچی سے دُور بھاگتا تھا۔ صرف ضرورت کی چیز لیتا تھا۔ جلد ہی وہ مطلوبہ رقم جمع کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

وہ ورکشاپ پہنچا تو ورکشاپ کے مالک نے اسے فوراً بازار کی طرف دوڑایا۔ "بیٹا! یہ سامان پکڑ لاؤ اور جلدی آنا، سیٹھ صاحب کی گاڑی فٹ کر کے دینی ہے۔" اس نے دیکھا کہ سیٹھ نعمت علی کی گاڑی ورکشاپ کے سامنے کھڑی ہے۔ راشد کو ورکشاپ کے

مالک نے سامان کی لسٹ کے ساتھ رقم تھمائی، راشد نے رقم احتیاط سے جیب میں رکھی اور بازار کی طرف چل دیا۔ وہ بازار میں آگے ہی آگے چلتا گیا، رضا آٹوز کی دُکان ملتان روڈ پہ واقع تھی۔ اس نے وہاں سے مطلوبہ سامان لیا، انہیں رقم کی ادائیگی کی اور واپس مُڑا۔ اسی وقت سڑک پر اس کی نگاہ پڑی، اس کی عمر کا ایک لڑکا بالکل نئی سائیکل پر سوار مزے مزے سے سائیکل بھگا رہا تھا۔ راشد سوچنے لگا کہ آج شام اس کے پاس بھی نئی چمکتی موٹر سائیکل ہوگی۔ وہ جب ورکشاپ پہنچا تو دوسرے کاریگر نے گاڑی کے کئی پرزے الگ کر لیے تھے۔ پھر وہ راشد کے لائے گئے سامان سے مختلف پرزے اُٹھا کر گاڑی میں فٹ کرنے لگے۔ راشد بھی کام کر رہا تھا کہ اچانک مالک وہاں آ گیا، اس کا نام جبار تھا۔ جبار کافی سخت طبیعت کا مالک تھا، ذرا ذرا سی بات پر ملازموں اور شاگردوں کو ڈانٹ دیتا۔ اسے آتے دیکھ کر کاریگروں کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔

''ہاں، بھئی راشد! بقایا رقم اِدھر لا۔'' جبار نے آتے ہی کہا، راشد حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''بقایا کون سا...... رقم تو آپ نے پوری پوری دی تھی۔''

''نہیں...... میں نے تمہیں بیس ہزار دیئے تھے۔ دس ہزار کا سامان آیا اور باقی دس نکالو۔'' جبار نے سخت لہجے میں کہا۔ راشد نے کہا۔ ''اُستاد! آپ نے دس ہزار ہی دیئے تھے، آپ کو شاید غلط فہمی ہو رہی ہے۔'' اس کی بات سنتے ہی جبار بھڑک گیا۔''ابے...... مجھے غلط فہمی کیوں ہونے لگی۔ سلیم...... ذرا راشد کی تلاشی لینا۔'' اس نے دوسرے کاریگر سے کہا۔

''اُستاد! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ م ......م...... میں......'' اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔ سلیم نے اس کی جیب سے ہاتھ باہر نکالا تو جبار بول اُٹھا۔ ''ایک چوری کرتا ہے اوپر سے سینہ زوری......'' یہ کہتے ہوئے اس نے راشد کو زوردار تھپڑ کھینچ مارا۔ راشد روتے ہوئے کہہ رہا تھا:

''اُستاد! یہ پیسے میرے ہیں، میں نے بڑی مشکل سے جمع کیے ہیں۔ میرا گھر کافی دُور ہے، اس لیے پیدل آنے جانے میں مجھے دقت ہوتی تھی۔ میں نے یہ رقم موٹر سائیکل لینے کے لیے جمع کی تھی۔''

''ہاہاہا...... تم اتنی رقم کیسے جمع کر سکتے ہو؟ بیوقوف کسی اور کو بنانا۔ یہ بتا باقی کے دو ہزار کہاں ہیں؟'' جبار نے اس کے بال مٹھی میں بھر کر اپنی طرف کھینچے...... وہ چلا اُٹھا۔''یہ چلانا بند کر اور پیسے نکال......'' مگر راشد کے پاس پیسے ہوتے تو وہ دیتا۔ راشد نے قسمیں کھائیں مگر جبار نے یقین نہیں کیا۔ جبار نے پولیس اسٹیشن فون کیا، تھوڑی دیر بعد پولیس آ گئی۔ راشد کو زبردستی اُٹھا کر پولیس وین میں پٹخ دیا گیا۔ اس کا خواب مر گیا تھا۔ موٹر سائیکل کے لیے

جمع کی گئی رقم اسے تباہی کے دہانے پر لے آئی تھی۔ پولیس اسٹیشن میں اسے بے دردی سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا...... وہ بار بار بے ہوش ہو جاتا لیکن بے حس اور ظالم پولیس والے اسے مارتے رہے۔

''وہ...... وہ بچہ کہاں ہے؟'' پولیس اسٹیشن پہنچ کر جبار بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''کون بچہ...... وہ چور...... اسے تو ہم نے رات کو ہی چھوڑ دیا تھا۔ ایک بااثر آدمی نے اس کی ضمانت دی تھی۔'' ایک سپاہی جلدی سے بولا۔

''اچھا...... اچھا...... میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں ملے گا۔''

جبار پولیس اسٹیشن سے نکلا اور ایک جانب چل دیا۔ اس کا رُخ کچی بستی کی طرف تھا...... وہ بستی میں داخل ہوا تو چند بچے اس کے ننگے پاؤں دیکھ کر بے تحاشا ہنسنے لگے مگر اسے کسی بات کی پروا نہ تھی۔

وہ راشد کے گھر کے سامنے پہنچا تو دروازہ کھلا تھا۔ اسے سامنے چارپائی پر راشد بیٹھا نظر آیا۔ اس کے چہرے پر اس کی انگلیوں کے نشانات واضح تھے۔ اس کے ماتھے پر بھی زخم کا نشان تھا اور اسے یہ سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی کہ وہ نشان پولیس اسٹیشن سے ہی لگا ہوگا۔ ایسے میں راشد کی نظر اس پر پڑی۔ وہ خوف سے چیخا۔

''امی......''

''کیا ہوا میرے بچے......'' اس کی امی دوڑ کے آئی تھیں اور پھر اس نے ورکشاپ کے مالک کو دیکھا۔ ایک پل میں اس کی آنکھوں میں سینکڑوں شکوے اُتر آئے۔ جبار کے پاس ان شکووں کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ فقط اتنا کہہ سکا۔

''معاف کر دیجیے......'' اس کی آنکھوں میں غبار جمع ہو گیا۔

''ایک غلط فہمی کی وجہ سے ایسا ہوا۔ غلطی میری تھی، سزا راشد کو ملی۔''

ورکشاپ کا مالک ٹوٹ چکا تھا، وہ جو ایک سخت گیر اور رعب و دبدبے والی شخصیت کا مالک تھا۔ ان لمحوں میں کسی ننھے بچے کی طرح رونے لگا۔ اس نے جیب سے آٹھ ہزار روپے نکالے اور راشد کی امی کو دے دیے۔

''میں کل ورکشاپ پر راشد کا انتظار کروں گا۔''

اس نے التجا کی۔ راشد کی امی کا صبر جواب دے چکا تھا۔

''صاحب...... آپ جیسے لوگ غریبوں کا درد کبھی سمجھ نہیں پائیں گے۔ ہم لوگوں کو اپنی عزت بہت پیاری ہوتی ہے۔ محنت کرتے ہیں، محنت کی کھاتے ہیں، ہم غریب ہیں مگر چور نہیں۔ چور ہوتے تو غریب نہ ہوتے۔ میں اب اپنے بیٹے کو آپ کی ورکشاپ پہ کبھی نہیں بھیجوں گی۔''

راشد کی امی نے انکار کر دیا تھا۔ جبار کا چہرہ بجھ سا گیا۔

''میں کل ضرور جاؤں گا امی......'' راشد بولا اور اس کی ماں اور جبار دونوں چونک گئے تھے۔

''ہاں...... امی! یہ میرے اُستاد ہیں اور اُستاد باپ سے بڑھ کر ہوتا ہے۔'' اچانک وہ رو پڑا۔ اس کی نظر جبار کے پیروں پہ جمی تھیں۔ جبار آگے بڑھا۔ ''مگر تم رو کیوں رہے ہو؟''

''آپ کو ننگے پیر دیکھ کر......'' جبار نے اسے گلے لگا لیا۔ اب جبار کا ضبط ٹوٹ چکا تھا۔ آنسوؤں کی برسات میں وہ فقط اتنا ہی کہہ پایا۔

''جیتے رہو بیٹا!'' جبار نے اسے خود سے جدا کرتے ہوئے کہا۔ ''تم نے میرا مان رکھ لیا۔''

راشد نے اُستاد کی زیادتی بھلا کر اُستاد کے مرتبے کو بلند کر دیا تھا۔ اُستاد حقیقی والدین تو نہیں ہوتے لیکن روحانی والدین تو ہوتے ہیں، لہٰذا ایک شاگرد نے اپنے عمل سے شاگرد بن کر دکھایا تھا۔

☆☆☆

(بقیہ: تاجو پاپڑ والا)

تاجو بھی میری اس ہمدردی سے بہت خوش تھا اور دوسرے اسپتال میں فراہم کی گئی سہولیات اور توجہ پر اس نے بارہا میرا شکریہ ادا کیا۔ میں جانتا تھا کہ تاجو ایک غریب آدمی تھا۔ وہ ہڈی جوڑ اسپتال کا خرچہ برداشت نہیں کر سکتا تھا، تاہم بہتر علاج کی غرض سے اس کا اس اسپتال میں منتقل ہونا ضروری تھا۔ میری ذرا سی کوشش اور ذاتی واقفیت کی رعایت کے سبب اس اسپتال میں اس کے علاج کا خرچہ نصف ہو گیا۔ اسپتال کی جانب سے تاجو کو دیگر مراعات بھی مفت فراہم کی جا رہی تھیں۔ اسپتال میں ڈاکٹروں کی خصوصی توجہ اور مناسب دیکھ بھال کے سبب تاجو چند روز ہی میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ اسے ڈاکٹروں نے ابھی آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا، اس لیے تاجو زیادہ تر گھر میں آرام کر رہا تھا جب کہ کالج میں موجود اس کا پاپڑ کا اسٹال اس کے بڑے بیٹے کے سپرد ہی تھا۔

ننھے قارئین
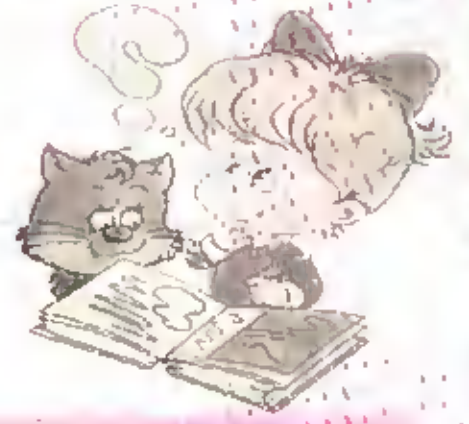
بوجھو تو جانیں

1- کالا گھوڑا سفید سواری
ایک کے بعد دوسرے کی باری

2- جناب عالی! سر پہ جالی
انتڑیاں بہت، پیٹ ہے خالی

3- مت جانو کچھ ایسا ویسا
ہے وہ بالکل آپ ہی جیسا

(مومنہ عامر حجازی، لاہور)

4- جہاں پہ ڈالا وہیں پڑا
کرتا ہے یہ کام بڑا

5- جاگو تو وہ پاس نہ آئے
سو جاؤ تو روپ دکھائے

6- ننھی منی ایک پری ہے
جس کے تن میں آگ بھری ہے

(ردا بٹ، لاہور)

7- کاغذ میں ایک دھاگا
چھوڑ کے ثاقب بھاگا

8- کالا ہے پر کوا نہیں
درخت پہ چڑھے پر بندر نہیں
موٹا سر ہے ہاتھی نہیں
پتلی کمر ہے چیتا نہیں

9- پیچھے سب کے جائے
جدھر اُجالا ادھر نہ جائے

(وجیہہ کاکا خیل، پشاور)

10- ہاں جی پی کر پھول رہی ہے
پیٹھ پہ جو جھول رہی ہے

(ثروت یعقوب، لاہور)

جوابات: 1- توا، روٹی 2- چارپائی 3- آئینے میں عکس 4- تالا 5- خواب
6- ماچس 7- آتش بازی 8- چیونٹا 9- سایہ 10- مشکیزہ

15 * 13 * 1 * 4 * 12 * 3 * 2 * 5 * 11 * 9

ان ہندسوں میں سے ایک ایک ہندسہ خالی دائروں میں اس طرح لکھیے کہ ہر سیدھی لائن میں چار ہندسوں کا مجموعہ 30 بن جائے۔ ایک ہندسہ ایک ہی بار لکھا جائے۔

(جواب صفحہ نمبر 36 پر)

داؤدی علمی آزمائش

درج ذیل دیے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ سورۃ المائدہ کا اُردو میں مطلب ہے:

i۔ جائے نماز ii۔ دسترخوان iii۔ رومال

2۔ نبی ﷺ کے پردادا کا کیا نام تھا۔

i۔ قیدار ii۔ ہاشم iii۔ نفیس

3۔ وائٹ ڈیتھ کس بیماری کو کہا جاتا ہے؟

i۔ کالی کھانسی ii۔ تپ دق iii۔ [illegible]

4۔ جنوبی ایشیا کا وہ کون سا ملک ہے جو ایک مکمل جزیرہ ہے۔

i۔ مالدیپ ii۔ سری لنکا iii۔ مڈغاسکر

5۔ حجاز اور نجد موجودہ دور کے کس ملک کے قدیم نام ہیں؟

i۔ یمن ii۔ عراق iii۔ سعودی عرب

6۔ شعر مکمل کیجیے:

i۔ نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر ۔ ۔ ۔

7۔ حدید عربی کا لفظ ہے۔ بتائیے! اس کا مطلب کیا ہے؟

i۔ سونا ii۔ چاندی iii۔ لوہا

8۔ مینارِ پاکستان کا اصل نام کیا ہے؟

i۔ یادگار لاہور ii۔ یادگار قراردادِ پاکستان iii۔ یادگار مسلم لیگ

9۔ حضور ﷺ پر پہلی وحی کہاں نازل ہوئی؟

i۔ غارِ ثور ii۔ غارِ حرا iii۔ مسجد نبویؐ

10۔ شیر شاہ سوری کا اصل نام کیا تھا؟

i۔ سلطان خان ii۔ فرید خان iii۔ دولت خان

جوابات علمی آزمائش دسمبر 2016ء

1- چکن پاکس 2- [illegible] 3- گجراتی 4- ترکت
5- کرنل ڈاکٹر الٰہی بخش 6- 25 دسمبر 1940ء 7- ڈبلا پتلا
8- [illegible] 9- مولانا شبیر احمد عثمانی 10- میاں بشیر احمد

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیئے جا رہے ہیں۔

[illegible] (150 روپے کی کتب)
[illegible] (100 روپے کی کتب)
[illegible] (90 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بذریعہ قرعہ اندازی:

[illegible] طٰہٰ یاسین، حیدر آباد [illegible] راولپنڈی [illegible] فیصل آباد [illegible] عبداللہ، ملتان۔

مالک (نوکر سے): ''آج کا اخبار کہاں ہے؟''
نوکر: ''کل سے ڈھونڈ رہا ہوں، مل نہیں رہا۔''
(غزالہ حبیب، تاندلیانوالہ)

ایک شخص نے اپنے ہمسائے سے پوچھا: ''تمہاری بیوی اپنے منے کو کون سی لوری سناتی ہے؟''
ہمسایہ جھنجھلا کر بولا: ''مجھے کیا پتا یار...... میں تو اس وقت اپنے کانوں میں روئی ٹھونسنے کے لیے تکیہ پھاڑ رہا ہوتا ہوں۔''
(محمد حامد رضا، بھوانہ)

ملزم (وکیل سے): ''کوشش کرنا کہ مجھے عمر قید ہو جائے مگر سزائے موت نہ ہو۔''
وکیل: ''تم فکر نہ کرو۔''
کیس کے بعد ملزم نے پوچھا: ''کیا ہوا؟''
وکیل: ''بڑی مشکل سے عمر قید ہوئی ہے، عدالت تو رہا کر رہی تھی۔''

☆☆☆

ایک بے وقوف آدمی دوست سے بولا: ''کل میرا کوئی پرس لے گیا، جس میں دو ہزار روپے تھے۔''
دوست نے کہا: ''جھوٹ! پندرہ سو روپے تھے، میں نے گھر جا کر گنے تھے۔''
بے وقوف آدمی نے کہا: ''اب پیسوں کا مسئلہ نہیں ہے، تم صرف چور کا پتا کرو۔''
(عائشہ عبدالسلام شیخ، نواب شاہ)

عثمان: ''آج میں نے عزم کیا ہے کہ آئندہ کبھی شرط نہیں لگاؤں گا۔''
یاسر: ''لیکن تم ایسا کبھی نہیں کرو گے۔''
عثمان: ''ضرور کروں گا، شرط لگا لو۔''
(لبنیٰ منظور، ڈھڈیال)

گاہک: (قصاب سے) ''یار! جلدی کرو، میرا قیمہ بنا دو۔''
قصاب: ''بابو جی! پہلے چودھری صاحب کی بوٹی بنا دوں، پھر آپ کا قیمہ بھی بنا دوں گا۔''
(حافظ خنسا، اقبال، جہانیاں)

ایک صاحب اپنے باورچی کے ہر کام میں نقص نکالتے رہتے تھے۔ اگر نوکر انڈا اُبال کر لاتا تو صاحب کہتے اس کا آملیٹ بنا کر لانا تھا۔ پھر وہ آملیٹ بنا کر لاتا تھا۔ ایک دن تنگ آ کر نوکر نے ایک انڈہ اُبال کر اور دوسرے کا آملیٹ بنا کر صاحب کے سامنے پیش کیا۔ صاحب نے دونوں کو غور سے دیکھا، پھر ناک بھوں چڑھا کر بولے۔ ''تم بھی عجیب آدمی ہو جس انڈے کو اُبال کر لانا تھا اس کا آملیٹ بنا لائے اور جس کا آملیٹ بنانا تھا اسے تم نے اُبال دیا۔''
(مومنہ محمد عامر، لاہور)

وکیل (مجرم سے): ''تم نے اس آدمی کے منہ پر گھونسا کیوں مارا؟''
مجرم: ''جناب، اس نے ایک سال پہلے مجھے گینڈا کہا تھا۔''
وکیل (حیرت سے): ''لیکن ایک سال بعد تم نے اسے کیوں مارا؟''
مجرم: ''اس لیے کہ میں نے کل ہی گینڈا دیکھا ہے۔''
(محمد عثمان جوہر، حیدر آباد)

امی (ناصر سے): ''میں تمہیں ایک کام کے لیے بازار بھیجنا چاہتی ہوں۔''
ناصر: ''اس وقت میں بہت تھکا ہوا ہوں، نہیں جا سکتا۔''
امی: ''میں تمہیں مٹھائی کی دکان تک بھیجنا چاہتی ہوں۔''
ناصر (خوش ہو کر): ''وہ تو زیادہ دور نہیں ہے۔''
امی: ''مٹھائی کی دکان کے پاس ہی ایک جھاڑو والا بیٹھا ہے۔ اس سے ایک جھاڑو لے آؤ۔''
(محمد عارف عزیز رہبر)

ایک صاحب اپنے گھر میں اسٹول پر کھڑے ہو کر برش سے دیوار پر پینٹ کر رہے تھے۔ ان کی بیگم آئیں اور کہا: ''اجی، میں نے کہا برش کو مضبوطی سے پکڑ لیجیے۔ میں اسٹول دوسرے کمرے میں لے جا رہی ہوں۔''
(ناصر رضی صدیقی، اسلام آباد)

☆☆☆

ڈیڑھ سو سال پہلے کی بات ہے کہ ایک رات امریکہ کے غریب ماں باپ کے گھر ایک بچہ پیدا ہوا۔ ماں باپ بیٹے کی پیدائش پر بہت خوش ہوئے، لیکن انہیں یہ فکر بھی ہوئی کہ بیٹے کو پڑھانے لکھانے کے لیے روپیہ کہاں سے آئے گا۔ وہ بیٹا جس کا نام فنلے مورس رکھا گیا ذرا بڑا ہوا تو پتا چلا کہ اسے پڑھنے لکھنے کا بہت شوق ہے۔ چنانچہ باپ نے اسے اسکول میں داخل کرا دیا اور مانگ تانگ کر اس کی پڑھائی کا خرچ پورا کرتا رہا۔

فنلے نے اسکول کی پڑھائی مکمل کر لی تو کالج میں داخل ہو گیا لیکن کالج کا خرچ اسکول کی پڑھائی سے کہیں زیادہ تھا۔ کالج کی تعلیم کے لیے روپیہ چاہیے تھا لیکن روپیہ گھر میں کہاں تھا؟ فنلے کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ دو شوق اور بھی تھے۔ ایک تو وہ بجلی کے تار ہاتھ میں لے لے کر یہ سوچتا رہتا کہ ان تاروں سے روشنی کے علاوہ کوئی اور کام بھی لینا چاہیے۔ دوسرے اسے تصویریں بنانے کا بھی شوق تھا۔ اس زمانے میں کیمرہ نہیں ہوتا تھا اور لوگ ہاتھی دانت پر تصویریں بناتے تھے۔ اب فنلے نے بھی ہاتھی دانت پر ہاتھ سے تصویریں بنانی شروع کیں۔ وہ تصویریں بنا کر بازار میں بیچ دیتا اور اس طرح کالج کی فیس ادا کرتا اور کتابوں کا خرچ پورا کرتا۔ وہ تصویروں کی کمائی میں سے اپنے غریب باپ کو بھی کچھ پیسے دیتا تاکہ گھر کا خرچ چل سکے لیکن تصویروں کی کمائی تھی ہی کتنی؟ بیچارے فنلے نے تنگ آ کر کالج چھوڑ دیا۔

کالج چھوڑنے کے چند دن بعد فنلے کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے غریب ماں باپ پر بوجھ بنا ہوا ہے۔ وہ کئی روز تک سوچتا رہا، آخر فیصلہ کیا کہ گھر بار چھوڑ کر انگلستان چلا جائے اور وہیں پر تعلیم حاصل کرے۔ اب مشکل یہ تھی کہ سفر کرنے کے لیے روپیہ کہاں سے آئے، فنلے نے اپنے یار دوستوں سے قرض لے لے کر رقم جوڑی اور انگلستان چلا گیا۔ وہ چار سال تک انگلستان میں پڑھتا رہا۔ جب واپس آیا تو ویسے کا ویسا غریب تھا۔ ادھر اس کے گھر کی حالت پہلے سے زیادہ خراب ہو چکی تھی۔ فنلے کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اپنا پیٹ پالنے اور غریب ماں باپ کی مدد کے لیے کرے تو کیا کرے۔ اب اس نے پھر پہلے کی طرح تصویریں بنا بنا کر بیچنی شروع کر دیں۔

تصویریں بیچنے سے کوئی فائدہ نہ ہوا تو فنلے نے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر ایک پمپ بنایا۔ اس پمپ کے چلانے سے پانی اوپر چڑھ آتا تھا۔ فنلے مورس اپنی ایجاد پر بہت خوش ہوا۔ اس نے سوچا کہ اب اس کے نام کی دھوم مچے گی اور وہ دولت میں کھیلنے لگے گا لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ پمپ بنانے سے فنلے نہ تو مشہور ہوا اور نہ روپیہ ہی اس کے ہاتھ آیا اور وہ پہلے کی طرح سڑکوں پر مارا مارا پھرنے لگا۔

فنلے مورس نے اپنے آپ سے کہا۔ ''چلو بھئی، پھر گھر کو چھوڑ کر کہیں باہر نکلو، شاید اسی طرح دن پھر جائیں کیوں کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ حرکت میں بڑی برکت ہے۔'' فنلے اپنا وطن چھوڑ کر یورپ چلا گیا۔ وہاں ملکوں ملکوں پھرتا رہا لیکن وہ جہاں بھی گیا اس کی بدقسمتی ساتھ گئی۔ مایوس ہو کر وہ دوبارہ امریکہ واپس آیا۔ جس جہاز میں وہ سفر کر رہا تھا، اس میں اور بھی کئی مسافر تھے۔ وہ سب آپس میں باتیں کر رہے تھے لیکن غریب فنلے ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھا تھا۔ مسافروں میں سے ایک بولا۔ ''بھئی کمال ہو گیا، پرسوں پیرس میں ایک عجیب معجزہ ہوا۔'' یہ بات سن کر باقی مسافروں کی طرح فنلے بھی چونک پڑا اور اس مسافر کی باتیں سننے لگا۔ وہ مسافر بولا۔ ''ایک کمرے کے چاروں طرف بجلی کا تار لپیٹ دیا گیا۔ پھر معلوم ہے کیا ہوا؟''

''کیا ہوا؟'' مسافروں نے یک زبان ہو کر پوچھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

"پھر زبردست معجزہ ہوا۔" وہ شخص بولا۔ "تار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بجلی پہنچ گئی۔" باقی مسافر تو حیران ہوکر اس شخص کی طرف دیکھتے رہے لیکن فنلے اپنی جگہ پر اچھل کر بولا۔

"دوستو! اگر بجلی ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا سکتی ہے تو خبریں بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجی جا سکتی ہیں۔" سب مسافروں نے فنلے کو دیکھا، پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے۔ ایک مسافر نے دوسرے کے کان میں چپکے سے کہا۔ "شاید پاگل ہے۔" فنلے مورس پاگل نہیں ہوا تھا لیکن اس پر ایک دھن ضرور سوار تھی۔ اس نے پکا ارادہ کرلیا کہ وہ بجلی کے تار کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پیغام بھیج کر رہے گا۔ بجلی کے تاروں پر تجربہ کرنے کا شوق تو اسے بچپن ہی سے تھا۔ اب اس نے گھر پہنچتے ہی تجربے شروع کر دیے لیکن تجربوں کے لیے روپیہ ہونا ضروری تھا اور فنلے کے پاس پھوٹی کوڑی نہیں تھی۔ اس نے اپنے بھائیوں کی منت خوشامد کی۔ اس کے بھائیوں نے چندہ اکٹھا کر کے فنلے کے لیے ایک کمرے اور بجلی کے تاروں کا انتظام کر دیا۔ اب فنلے نے دن رات ایک کر کے بھدا سا ایک آلہ تیار کر لیا۔ سب سے پہلے اپنے بھائیوں کو یہ آلہ دکھایا۔ اس کے بعد جو بھی فنلے سے ملنے آتا، فنلے جھٹ اسے اپنا آلہ دکھانے لگتا۔

کرنا خدا کا کیا ہوا کہ انہیں دنوں فنلے کو ایک کالج میں پروفیسری کی نوکری مل گئی لیکن فنلے کو کہاں چین آتا تھا۔ وہ نوکری سے فارغ ہوتے ہی اپنے بھدے آلے کو لے کر بیٹھ جاتا۔ ایک روز اس نے اپنے ساتھی پروفیسر کو یہ آلہ دکھایا، اس وقت فنلے کا ایک شاگرد بھی پاس کھڑا تھا۔ پروفیسر چلا گیا تو شاگرد نے فنلے سے پوچھا۔ "آپ اس آلے پر تجربہ کیوں نہیں کرتے؟"

فنلے نے جواب دیا۔ "برخوردار! میں اس تنخواہ میں اپنا پیٹ پالوں یا تجربے کروں اور اگر ساری تنخواہ تجربے پر لگا دوں تو بھی کچھ نہیں بنے گا۔ اس کام پر کافی روپیہ لگتا ہے۔"

شاگرد نے کہا کہ وہ کچھ روپے کا انتظام کر سکتا ہے۔ اس پر فنلے بہت خوش ہوا۔ شاگرد کے باپ کا آٹا پیسنے کا کارخانہ تھا۔ شاگرد نے اپنے اُستاد کو باپ کے کارخانے میں کمرہ لے دیا اور کافی روپیہ بھی باپ سے دلوا دیا اور خود بھی فنلے کے ساتھ تجربوں میں شامل ہوگیا۔ اس لڑکے کا نام الفریڈ ویل تھا۔ اب الفریڈ ویل کے باپ کے کارخانے میں ایک طرف بنے ہوئے کمرے کے اندر کئی روز تک تجربے کرتے رہے۔ اس وقت فنلے مورس کو تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ اسے کھانے پینے اور پہننے کی بھی فکر نہ تھی۔ آخر وہ ایک مشین بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ مشین مکمل ہوتے ہی الفریڈ ویل بھاگا بھاگا اپنے باپ کے پاس گیا اور اسے خوش خبری سنائی۔ باپ نے کہا۔ "میں تو تب مانوں گا جب میری یہ بات اپنی مشین پر روانہ کر دو۔" اس کے باپ نے یہ پیغام لکھ کر بھیجنے کے لیے دیا۔

"صابر اور مستقل مزاج لوگوں کی محنت کبھی ضائع نہیں جاتی۔"

یہ پیغام ٹھیک طرح سے دوسری جگہ پہنچ گیا تو فنلے مورس اور اس کے ساتھی خوشی سے ناچنے لگے۔ ہوتے ہوتے امریکی حکومت کو فنلے مورس کی تیار کی ہوئی مشین کا پتا چل گیا۔ حکومت نے فنلے کو بلوا بھیجا۔ حکومت کا خیال تھا کہ اس مشین سے فائدہ اٹھانا چاہیے لیکن اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے کافی خرچ آتا تھا اور خرچ کی منظوری امریکی پارلیمنٹ سے لینی پڑتی تھی۔

امریکی پارلیمنٹ نے منظوری دینے میں دیر کر دی۔ اس پر فنلے کو بڑا غصہ آیا۔ اسے دکھ بھی ہوا، لہذا وہ واپس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ وہ روانہ ہونے ہی والا تھا کہ ایک افسر کی لڑکی بھاگی بھاگی آئی اور فنلے کو بتایا کہ پارلیمنٹ نے خرچ منظور کر دیا ہے۔ فنلے کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس نے خوشی میں اس لڑکی سے وعدہ کیا کہ بجلی کے تار لگنے پر سب سے پہلا پیغام جو بھیجا جائے گا وہ اسی لڑکی کا ہوگا۔

فنلے بجلی کا تار بچھانے کے لیے بہت عرصہ تک کام کرتا رہا اور جب لکڑی کے کھمبوں پر تار لگ گئے تو فنلے نے اپنے وعدے کے مطابق خوش خبری لانے والی لڑکی کا پیغام سب سے پہلے روانہ کیا۔ اس کے بعد یہ خبر بھیجی گئی۔ "جیمز کے پولک کو امریکہ کا صدر نامزد کیا گیا ہے۔" یہ دُنیا کی سب سے پہلی خبر تھی جو بذریعہ تار روانہ کی گئی۔

اس ایجاد نے فنلے مورس کو ساری دُنیا میں مشہور کر دیا۔ اسی ایجاد کی برکت ہے کہ آج ہمارا ہر پیغام بہت جلد ایک جگہ سے دوسری جگہ تار سے بھیجا جا سکتا ہے۔ عام طور پر ہم ریل میں سفر کرتے ہوئے پٹری کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے کھمبے اور لمبے لمبے تار دیکھتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ ہماری خبریں اور پیغام انہی تاروں کے ذریعے دُور دُور تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس شاندار دریافت کے لیے ہمیں فنلے مورس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ فنلے مورس جو غریبی اور مصیبتوں کے باوجود اپنے کام میں لگا رہا اور آخر کامیاب ہوکر ساری دُنیا میں مشہور ہوگیا۔ فنلے مورس اسی سال کی عمر میں فوت ہوگیا۔

☆☆☆

''ابا جان! آپ نے پوری زندگی بچوں کو پڑھانے میں ضائع کر دی، بدلے میں کیا ملا؟ سوکھی روٹی، دو پینشن کے لیے بینک کے دھکے، آپ مہربانی کر کے مجھے سمجھانے کی کوشش مت کیا کریں۔ میں جیسا بھی ہوں، جو بھی کر رہا ہوں، آپ اس میں مداخلت مت کریں۔ میں اپنے حال میں خوش ہوں۔''

الطاف کی کڑوی کسیلی باتیں سن کر بے چارہ ماسٹر صابر حسین خاموش رہنے کے سوائے اور کرتا بھی کیا، وہ سر جھکائے دوسرے کمرے میں چلا گیا جب کہ الطاف اپنے لفنگے اور آوارہ دوستوں کے ساتھ باہر گلی میں نکل گیا۔

ماسٹر صابر نے پوری زندگی بچوں کو علم کے زیور سے آراستہ کیا، لیکن بدقسمتی سے اس کا اپنا جواں سال بیٹا الطاف میٹرک کر کے گھر بیٹھ گیا اور غلط قسم کے دوستوں کی صحبت میں آ کر اپنی پڑھائی چھوڑ دی۔ ماسٹر صاحب ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے تھے، ان کا مختصر سا کنبہ چار افراد پر مشتمل تھا۔ ماسٹر صاحب کی بیوی، سات سال کی بچی اور پندرہ سالہ الطاف ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے تھے جو کہ دو کمروں پر مشتمل تھا جس کا چھوٹا سا صحن بھی تھا۔ ماسٹر صاحب نے اپنی پوری زندگی بچوں کو ایمانداری کا سبق پڑھاتے ہوئے گزاری جب کہ وہ اپنی پینشن سے بڑی مشکل سے گھر کا گزارہ کر رہے تھے۔ ماسٹر صاحب نے پڑھائی کے علاوہ بچوں کے ادب کے لیے بھی بہت کام کیا۔ ملک کے مشہور و معروف رسائل میں ان کی تحریروں کو بچوں اور بڑوں میں یکساں پذیرائی حاصل تھی لیکن بدقسمتی سے ایسے ایماندار اور محب وطن شخص کو اپنی کاوشوں کا صلہ نہیں ملا۔ ادبی دنیا میں جتنا کام کیا، بغیر کسی لالچ اور معاوضے کے کیا۔ آخر کار انہوں نے لکھنا بھی چھوڑ دیا تھا اور اپنی زندگی کے باقی ایام گوشہ نشینی میں گزار رہے تھے۔

ماسٹر صاحب کی بیوی بھی اپنے شوہر کی طرح صابر اور شاکر عورت تھی۔ وہ ہر وقت خدا کا شکر ادا کرتی تھی اور مشکل وقت میں بھی اپنے شوہر کی ہمت بندھاتی رہتی تھی جب کہ ان کی بیٹی باقاعدگی کے ساتھ اسکول جاتی تھی اور بڑی محنت سے اپنی پڑھائی جاری رکھی ہوئی تھی۔ دوسری طرف ماسٹر کا بیٹا الطاف، جسے اپنے والد کی عزت کا لحاظ تھا اور نہ ہی اپنی ماں کی گرتی ہوئی صحت کا خیال تھا، ماسٹر صاحب کے لاکھ سمجھانے پر بھی اس نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ دی

اور اپنے ہم عمر دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی کو ترجیح دی۔

اب تو الطاف میاں کئی کئی روز گھر سے غائب رہنے لگے تھے، اسے اپنے بوڑھے والدین کی فکر تھی اور نہ ہی اپنی چھوٹی بہن کی پڑھائی کا خیال۔ کہتے ہیں کہ جیسی صحبت ویسا اثر، سو الطاف میاں کے تیور بھی بدل چکے تھے۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر لوگوں سے موبائل فون چھیننے سے لے کر بڑی بڑی وارداتوں میں حصہ لینے لگا۔ ایک دن وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ ایک سنسان سڑک پر جا رہے تھے کہ ان کی نظر ایک کار پر پڑی جس میں ایک ڈاکٹر بیٹھا ہوا تھا جو موبائل فون پر کسی سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ الطاف اور اس کے دوستوں نے گن پوائنٹ پر اس کار کو روکا اور ڈاکٹر صاحب سے موبائل فون اور کار کی چابی چھین لی۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کی بڑی منتیں کیں۔ ''دیکھو بیٹا! میں ایک مریض کو دیکھنے جا رہا ہوں جو بہت سیریس ہیں۔ خدا کے واسطے مجھے جانے دو اور انسانیت کا فرض ادا کرنے دو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ واپسی پر آپ لوگوں کو جتنے پیسے چاہیے اور جہاں چاہیے میں دوں گا، لیکن پلیز! ابھی جانے دو۔ وہ اُستاد جس نے مجھے علم سکھا کر اس لائق بنایا کہ آج میں ایک ڈاکٹر ہوں، اس عظیم اُستاد کی بیوی زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے ...... مجھے جانے دو...... پلیز مجھے کسی کی جان بچانے دو......''

ڈاکٹر صاحب کی منت سماجت کا بھی ان پر اثر نہیں ہوا اور اسے زخمی کر کے کار اور موبائل چھین کر چلتے بنے۔

''یار الطاف! ڈاکٹر سے جو موبائل فون چھینا تھا ناں، آج میں اسے بازار بیچ آیا، مگر حیرت ہے اس ڈاکٹر نے جس نمبر پر آخری بار بات کی تھی، وہ...... وہ نمبر...... وہ نمبر تو تمہارے والد کا ہے!''

''کیا......؟''

حیرت اور پریشانی کے عالم میں الطاف کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''اس کا مطلب ہے وہ ''مریض'' میری والدہ تھیں جسے ڈاکٹر چیک کرنے جا رہا تھا اور ہم نے اسے ...... یا خدا! یہ میں نے کیا کر دیا۔'' پھر تو الطاف روتے گرتے پڑتے اپنے گھر کی طرف بھاگا۔ ماسٹر صاحب سر جھکائے نیچے زمین پر بیٹھے ہوئے تھے جب کہ الطاف کی چھوٹی بہن بار بار ''ماں'' پکار پکار کر رو رہی تھی، اس نے جب اپنے بھائی کو دیکھا تو دوڑ کر اس کے ساتھ چمٹ گئی اور بلک بلک کر رونے لگی۔

''بھیا! آپ کہاں رہ گئے تھے، آپ نے آنے میں کتنی دیر کر دی۔ ماں تو آپ کو یاد کرتے کرتے ہمیشہ کے لیے ہمیں اکیلا چھوڑ کر چلی گئی۔ خدا غارت کرے ان لٹیروں کو جنہوں نے اس ڈاکٹر کو بھی نہیں چھوڑا جسے بابا نے فون کیا تھا اور وہ ماں کی دوائی لے کر آ رہا تھا کہ ان ظالموں نے اس بھلے انسان کو لوٹ لیا، اس وجہ سے ہماری ماں......''

الطاف کی بہن کہتی گئی اور الطاف آنسوؤں کے سیلاب میں بہتا گیا۔ وہ گناہوں کی دلدل میں اتنا پھنس چکا تھا کہ اس کے پاس واپسی کا بھی راستہ نہیں تھا۔ وہ اپنی بوڑھی ماں کو کھو چکا تھا، اب اس کی زندگی میں کچھ نہیں رکھا تھا۔ وہ اپنے باپ سے بھی نظریں نہیں ملا سکا۔ وہ احساس ندامت سے اُٹھا اور سیدھا تھانے آ کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیا۔

اسے اپنے گناہوں کی معافی ملے گی یا نہیں، یہ تو کوئی نہیں جانتا لیکن بچو! ہمیں اس کہانی سے یہ سبق ضرور ملتا ہے کہ ہمیں اپنے والدین کا دل کبھی نہیں دکھانا چاہیے اور اپنے والدین کی فرماں برداری کرنی چاہیے۔ ہمیں سب سے پہلے اپنی پڑھائی پر دھیان دینا چاہیے اور غلط قسم کے لوگوں سے ہرگز دوستی نہیں کرنی چاہیے، جس کا انجام آپ کے سامنے ہے۔ ☆☆☆

معلوماتِ عامہ

- ☆ پاکستان میں بننے والے پہلے بحری جہاز کا نام العباس ہے۔
- ☆ مینار پاکستان کا نقشہ مراد خان نے تیار کیا۔
- ☆ پاکستان میں سب سے پہلے مصر کا سفارت خانہ قائم ہوا۔
- ☆ اسٹیٹ بینک کا افتتاح قائداعظمؒ نے کیا۔
- ☆ شہد کی مکھی کی پانچ آنکھیں ہوتی ہیں۔
- ☆ پاکستان کا سب سے بلند ترین شہر کوئٹہ ہے۔
- ☆ سوئٹزرلینڈ ایک ایسا ملک ہے جہاں کوئی فوج نہیں۔
- ☆ اخروٹ کا تعلق ایران سے ہے۔
- ☆ تھائی لینڈ میں سفید ہاتھی پایا جاتا ہے۔
- ☆ یاک ایک ایسا جانور ہے جس کے دودھ کا رنگ گلابی ہوتا ہے۔
- ☆ واسکوڈے گاما کا تعلق پرتگال سے تھا۔
- ☆ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے پہلے گورنر زاہد حسین تھے۔
- ☆ استنبول کا پرانا نام قسطنطنیہ ہے۔
- ☆ علم تاریخ کا امام علامہ طبری کو کہا جاتا ہے۔
- ☆ تھائی لینڈ کا پرانا نام سیام ہے۔

(محمد توصیف صابر، پیرمحل)

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت یونس علیہ السلام اٹھائیس سال کے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے منصب سے سرفراز کر کے نینوا کے لوگوں کی ہدایت کے لیے مقرر کیا۔ ایک مدت تک جب آپ کی تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا تو آپ بہت دل برداشتہ ہوگئے اور غصے میں آکر بارگاہ الٰہی میں ان کے لیے عذاب کی دعا کی اور بغیر خدا کا حکم لئے خود اس بستی سے نکل گئے۔ جب آپ نینوا سے چل کر دریائے فرات کے کنارے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک کشتی مسافروں سے بھری ہوئی پار جانے کے لیے تیار ہے۔ آپ بھی اس کشتی میں سوار ہوگئے۔ جب کشتی منجدھار میں پہنچی تو طوفانی ہواؤں نے کشتی کو گھیر لیا اور ڈگمگانے لگی۔ جب کشتی والوں کو اپنی غرقابی کا یقین ہوگیا تو انہوں نے اپنی رسم اور عقیدے کے مطابق کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھاگا ہوا غلام اس کشتی میں سوار ہے۔ جب تک اس کشتی سے علیحدہ نہیں کیا جائے گا، نجات نہیں ملے گی۔ جب حضرت یونسؑ نے گفتگو سنی تو فوراً دل میں خیال آیا کہ میں ہی اپنے آقا کا وہ غلام ہوں جو وحی کا انتظار کیے بغیر نینوا سے چلا آیا۔ خدا کو میرا اس طرح چلا آنا پسند نہیں آیا۔ اب میری آزمائش کا وقت آن پہنچا ہے۔ آپ نے کشتی والوں سے کہا کہ میں ہی اپنے آقا کا بھاگا ہوا غلام ہوں۔ لہٰذا مجھے دریا میں پھینک دو مگر ملاح اور کشتی والوں پر آپ کی نیکی اور پاکبازی کا ایسا اثر تھا کہ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر یہ طے ہوا کہ قرعہ اندازی کی جائے جس کا نام نکلے اس کو دریا میں پھینکا جائے۔ چنانچہ تین مرتبہ قرعہ اندازی ہوئی اور تینوں مرتبہ حضرت یونسؑ کا نام نکلا۔ اب وہ مجبور ہوگئے اور انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو دریا میں پھینک دیا۔ اسی وقت خدا کے حکم سے ایک مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ خدا نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونس تیرے پاس امانت ہے۔ تیری غذا نہیں ہے۔ ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ مچھلی کے پیٹ میں پہنچ کر جب حضرت یونسؑ نے محسوس کیا کہ میں زندہ ہوں تو بارگاہ خداوندی میں اپنی ندامت کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کی توبہ قبول کی اور مچھلی کو حکم دیا۔ مچھلی کے پیٹ میں رہنے سے آپ بہت لاغر اور کمزور ہوگئے تھے۔ خدا کے حکم سے وہاں ایک بیل دار درخت اگ آیا اور آپ وہاں جھونپڑی بنا کر رہنے لگے۔ کچھ مدت کے بعد اس درخت کی جڑ کو کیڑا لگ گیا جس سے وہ بیل سوکھنے لگی۔ یہ دیکھ کر حضرت یونسؑ کو بہت رنج ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔ "یونس! تم کو اس حقیری بیل کے مرجھانے کا تو بہت رنج پہنچا ہے۔ مگر تم نے یہ نہ سوچا کہ نینوا کی ایک لاکھ سے زائد آبادی اور دوسرے جانداروں کو ہلاک کر دینا ہم کو ناگوار نہ ہوگا اور کیا ہم ان کے لیے اس سے زیادہ مہربان نہیں ہیں جتنی یہ بیل تم کو عزیز ہے؟ تم بددعا کرتے ہی اس بستی سے نکل آئے اور وحی کا انتظار بھی نہ کیا۔ ایک نبی کے لیے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ وہ قوم کے حق میں بددعا کرے اور ان سے نفرت کر کے چلے جانے میں اس طرح کی جلد بازی سے کام لے اور وحی کا بھی انتظار نہ کرے۔" جب باوجود بڑی تلاش کے بھی حضرت یونسؑ لوگوں کو نہ ملے تو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں گڑگڑا کر اپنے پچھلے گناہوں کی معافی مانگی اور سچے دل سے توبہ استغفار کی اور بستی سے باہر نکل کر کھلے میدان میں رو رو کر خدا کی بارگاہ میں عرض کی۔ ان کی گریہ وزاری اور توبہ قبول ہوئی اور وہ عذاب الٰہی سے بچ گئے اس طرح تمام نینوا والے مسلمان ہوگئے۔ اب حضرت یونسؑ کو خداوند کریم نے حکم دیا کہ وہ دوبارہ نینوا جائیں اور قوم کو نیکی اور ہدایت کی تبلیغ کریں تاکہ خدا کی مخلوق ان سے فیض یاب ہو۔ چنانچہ حضرت یونسؑ خدا کے حکم کے مطابق نینوا میں واپس تشریف لے آئے۔ جب قوم نے آپ کو دیکھا تو وہ بہت خوش ہوئی اور آپ کی رہنمائی میں دین دنیا کی کامرانیاں حاصل کرتی رہی۔

کھوج لگایئے

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 جنوری 2017ء ہے۔

نام: ____________

شہر: ____________

مکمل پتا: ____________

موبائل نمبر: ____________

دماغ لڑاؤ

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 جنوری 2017ء ہے۔

نام: ____________

مقام: ____________

مکمل پتا: ____________

موبائل نمبر: ____________

ہونہار مصور

جنوری کا موضوع "کرکٹ میچ" ہے۔ ارسال کرنے کی آخری تاریخ 08 جنوری 2017ء ہے۔

نام ____________ عمر ____________

مکمل پتا: ____________

موبائل نمبر: ____________

میری زندگی کے مقاصد

کوپن پُر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام ____________ شہر ____________

مقاصد ____________

موبائل نمبر: ____________

اوجھل خاکے

یہ چیزیں خاکے میں چھپی ہوئی ہیں۔ آپ ان چیزوں کو تلاش کیجیے اور شاباش لیجیے۔

سالِ نو کا پیغام

چاہو ہر کسی کی خیر خواہی
کرو ہر ایک کے ساتھ بھلائی
کرے جو بھی تم سے زیادتی
کرو معاف اسے یہ ہے بڑائی
نئے سال کا پیغام یہی ہے
کرو ایسے اب تم کام
روشن ہو جس سے ملک کا نام
احکام خدا کی کرو تم اطاعت
ہر شخص کو پہلے کرو سلام
نئے سال کا پیغام یہی ہے
دل نہ تم کسی کا دکھانا
پھول خوشیوں کے ہر سو کھلانا
ہونے نہ دینا کوئی آنکھ نم
بانٹ لینا سب کے تم غم
نئے سال کا یہی پیغام ہے
کر لو نئے سال کی قدر
محنت سے ہے ہر کام کرنا دن بھر
پُر تاثر ہو تمہاری ہر بات
بنا لیا اخلاق اپنے بلند مرتبے پر
نئے سال کا پیغام یہی ہے

(کاوش: تیمور مرتضیٰ، پاک پتن شریف)

اچھی کتاب

کہاں ہے کہاں میری اچھی کتاب
مری لاڈلی میری پیاری کتاب
ادھر آ گلے سے لگا لوں تجھے!
میں اپنی سہیلی بنا لوں تجھے!
جو تنہائی میں گنگناتی ہوں میں
تو رہبر تجھے اپنا پاتی ہوں میں
کراتی ہے تو مجھ کو دُنیا کی سیر
ترے دم سے پھیلا ہے دُنیا میں خیر
عجب باتیں مجھ کو بتاتی ہے تو
صداقت پہ چلنا سکھاتی ہے تو
بُرائی سے تو ہے بچاتی مجھے
جواہر سے اپنے سجاتی مجھے
جہالت کی تاریکی کرتی ہے دُور
زمانے میں پھیلاتی ہے اپنا نور
کہاں تک کروں میں تیری تعریف
جو محرم ہیں تیرے پرستار ہیں

(رفیع یوسفی محرم، کراچی)

اشفاق احمد کہتے ہیں......

☆ وقت سے پہلے اور قسمت سے زیادہ کبھی نہیں ملتا۔
☆ فاتحہ لوگوں کے مرنے پہ نہیں، احساس کے مرنے پہ پڑھنی چاہیے کیوں کہ لوگ مر جائیں تو صبر آ جاتا ہے مگر احساس مر جائے تو معاشرہ مر جاتا ہے۔
☆ ہم زندگی میں ضرور کامیاب ہوں گے اگر ہم ان نصیحتوں پر عمل کرلیں جو دوسروں کو کرتے ہیں۔
☆ ہم اللہ کو ایک مانتے ہیں مگر ہم اللہ کی ایک نہیں مانتے۔
☆ جب تم کسی میں کوئی عیب دیکھو تو اسے اپنے اندر تلاش کرو۔ اگر اسے اپنے اندر پاؤ تو اسے نکال دو۔ یہ حقیقی تبلیغ ہے۔
☆ یہ ٹھیک ہے تم ایک گلاب نہیں بن سکتے، مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم کانٹا بن جاؤ۔

(لبنیٰ منظور، ڈھڈیال)

میری گڑیا

میری گڑیا ، میری مینا
احمد اور اسد کی بہنا
اتنی سندر ، اتنی پیاری
جیسے پھولوں کا ہو گہنا

ماں اور باپ، کی تاج دار
مانے سب بڑوں کا کہنا
موہنی صورت، پیاری سیرت
مہکتا اس کا رہنا سہنا
علم سمندر اس کے اندر
میری بیٹا کا کیا کہنا

(اسماء اسلم)

غصہ

ایک شخص غصے کا بہت تیز تھا۔ ایک عالم نے مشورہ دیا: ''جب غصہ آئے تو جنگل جا کر درخت میں کیل ٹھوکنا۔'' اس نے ایسا ہی کیا۔ آخر ایک دن اس کا غصہ ختم ہوگیا۔ اس نے عالم کو بتایا۔ عالم نے کہا: ''اب اس درخت سے یہ کیلیں نکالو۔'' آدمی نے کیلیں نکال لیں لیکن درخت میں سوراخ ہو گئے۔ عالم نے کہا: ''یہ وہ سوراخ ہیں جو تم غصے کی حالت میں لوگوں کے دلوں میں کرتے تھے......!!!''

(انور کامران، لاہور)

حضرت علیؓ کی پانچ خوبصورت باتیں

☆ شرم کی کشش حسن سے زیادہ ہوتی ہے۔
☆ رونا، دل کو روشن کرتا ہے۔
☆ دنیا میں سب سے خطرناک جوانی کا غصہ ہے۔
☆ کسی کا دل نہ دکھاؤ کیوں کہ تم بھی دل رکھتے ہو۔
☆ اولاد کے لیے جو بھی چیز گھر لاؤ تو سب سے پہلے لڑکی کو دو، پھر لڑکے کو دو۔ (عدن سجاد، جھنگ صدر)

ایک اچھی بات

ایک آدمی نے ایک بزرگ سے پوچھا: ''جب ہماری قسمت پہلے سے لکھی ہوئی ہے تو ہمیں دعا مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟''

بزرگ نے جواب دیا: ''ہو سکتا ہے کہ تیری قسمت میں یہی لکھا ہو کہ جب تو مانگے گا تو تجھے ملے گا۔'' (کنیز زہرہ، لاہور)

اقوال زریں

☆ کوئی آئینہ انسان کی اتنی اچھی تصویر نہیں دکھا سکتا، جتنی کہ اس کی گفتگو۔
☆ جو سر جھکا کر چلتے ہیں، ان کے والدین سر اٹھا کر چلتے ہیں اور جو سر اٹھا کر چلتے ہیں، ان کے والدین سر جھکا کر چلتے ہیں۔
☆ دولت کو خوش نصیبی سمجھنا ہی انسان کی بد نصیبی کا ثبوت ہے۔
☆ سکون حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ دوسرے کو سکون پہنچانا ہے۔ جو دوسرے کو بے سکون کرتا ہے، اسے کبھی سکون نصیب نہیں ملتا۔
☆ اپنی سوچ کو پانی کے قطروں سے بھی زیادہ شفاف رکھو کیوں کہ جس طرح قطروں سے دریا بنتا ہے اسی طرح سوچوں سے ایمان بنتا ہے۔
☆ ہر چیز اپنے وقت پر ہی اچھی لگتی ہے۔ نیکی کمانے کا صحیح وقت جوانی ہے لیکن ہم نیکی اس وقت کرتے ہیں جب ہم برائی کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ (وجیہا کاکاخیل، پشاور)

شکر

زمانے کی گردش اور دنوں کی تنگی سے میں کبھی دل شکستہ اور رنجیدہ نہیں ہوا مگر ایک بار ضرور ملال ہوا جب میرے پاؤں میں جوتی نہ تھی اور نہ خرید سکنے کو جیب میں پیسہ تھا۔

میں حیران پریشان کوفے کی جامع مسجد میں جا نکلا۔ دیکھتا ہوں کہ ایک شخص کے پاؤں ہی نہیں ہیں۔ پس میں نے اپنے پاؤں کی سلامتی پر خدا کا شکر ادا کیا اور ننگے پاؤں رہنا ہی غنیمت سمجھا۔

(محمد احمد، لاہور)

مہکتے اقوال

☆ اپنے گناہوں کا احساس ہی توبہ ہے۔
☆ اگر آپ دوسروں سے اپنی قدر کروانا چاہتے ہیں تو پہلے دوسروں کی قدر کیجیے۔
☆ اگر آپ کا دل حسین ہے تو آپ بھی حسین ہیں۔
☆ وقت انسان کو وہ سبق سکھاتا ہے جو استاد نہیں سکھاتا۔
☆ کسی کا راز چھپانا دانائی ہے۔
☆ کسی کو پانے کی تمنا مت کرو بلکہ اپنے آپ کو اس قابل بناؤ کہ لوگ تمہیں پانے کی تمنا کریں۔
☆ گناہ کے بعد ندامت بھی توبہ کی شاخ ہے۔
☆ اللہ تعالیٰ کے کرم پر مغرور ہونا اور عفو کی اُمید پر گناہ کرنا شیطان کا کھلا فریب ہے۔ (محمد بن منصور، خانیوال)

قومی ورثہ

رانا محمد شاہد

زمزمہ توپ

لاہور میں مال روڈ پر واقع پاکستان کے قدیم ترین اشاعتی ادارے فیروز سنز سے دو تین کتابیں خریدنے کے بعد چلتے چلتے میں اپنے ایک دوست کے ساتھ مین شاہراہ قائداعظم پر آ گیا۔ تھوڑا سا چلے تو عجائب گھر کے بالکل سامنے سنگ مرمر کے چبوترے پر نصب توپ دیکھ کر دوست بولا۔ ''یار سنہرے رنگ کی کیا خوب صورت توپ ہے۔ یہ نہ صرف خوب صورت ہے بلکہ دیکھنے والوں کے لیے تفریح کا باعث بھی ہے۔''

''کیا تم اس توپ کی تاریخ کے بارے میں نہیں جانتے؟'' میں نے پوچھا تو وہ حیرت سے بولا۔ ''کیا مطلب؟ یہ کوئی تاریخی توپ ہے، میں تو اسے محض سڑک کی خوب صورتی اور گزرنے والے لوگوں کی تفریح کا سامان سمجھ رہا تھا۔'' ''جی نہیں...... یہ بے جان چیز ایک جاندار کہانی رکھتی ہے......'' میں نے کہا تو وہ غور سے میری بات سننے لگا۔ ''حقیقت یہ ہے کہ سڑک سے گزرنے والے لوگوں کی اکثریت اس توپ کی تاریخی اہمیت سے واقف نہیں ہے......''

اس مشہورِ زمانہ توپ کو ''زمزمہ توپ'' کہا جاتا ہے۔ عرف عام میں یہ ''بھنگیانوالی توپ'' بھی کہلاتی ہے۔ اس تاریخی توپ نے زمانے کی بہت سی گردشیں اور حالات کے اُتار چڑھاؤ دیکھے ہیں۔

یہ توپ احمد شاہ ابدالی کے حکم سے 1757ء میں لاہور میں تیار کی گئی تھی۔ احمد شاہ ابدالی نے اس کے علاوہ بھی کئی توپیں بنوائیں جو پانی پت میں مرہٹوں کے خلاف جنگ میں استعمال کی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ ایک اور توپ بھی تھی جو دریائے چناب میں غرق ہو گئی۔ کابل واپسی کے وقت احمد شاہ ابدالی نے زمزمہ توپ لاہور لا کر افغان گورنر خواجہ عبد خان کے حوالے کر دی۔ 1762ء میں خواجہ عبد خان کو قتل کر دیا گیا۔ چنانچہ سکھوں کے سردار ہری سنگھ بھنگی نے لاہور پر قبضہ کیا تو ساتھ ہی توپ بھی اس کے قبضے میں چلی گئی۔ پھر یہ توپ قلعہ لاہور کے شاہ برج میں پہیوں کے بغیر رکھ دی گئی۔ اس وقت اس کا نام ''بھنگی توپ'' پڑا جو اتنا مشہور ہوا کہ آج بھی یہ ''بھنگیوں کی توپ'' کہلاتی ہے۔

1764ء میں لاہور پر ''سہہ حاکمان'' کی حکومت تھی۔ سہنا سنگھ، گوجر سنگھ اور سوبھا سنگھ نے شہر پر قابض ہو کر اسے باہم تقسیم کر لیا۔ اس پر والئ گوجرانوالہ سردار چڑھت سنگھ نے اس سہہ حکمرانوں سے مالِ غنیمت میں اپنا حصہ طلب کیا۔ سہہ حکمران نہ تو انکار کر سکے

اور نہ ہی وہ چڑھت سنگھ کو کچھ دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ بھاری بھرکم توپ اس کے حوالے کر دی اور چڑھت سنگھ دو ہزار فوجیوں کی مدد سے اسے کھینچ کر گوجرانوالہ اپنے قلعے میں لے گیا۔

چڑھت سنگھ کے پاس بھی یہ توپ زیادہ عرصہ نہ رہی۔ کچھ ہی عرصے بعد دو بھائی احمد خان چٹھہ اور پیر محمد خان چٹھہ اس سے توپ چھین کر احمد نگر لے گئے۔ کچھ دیر میں ہی وہ دونوں خود اس توپ پر جھگڑ پڑے۔ اتنی بڑی توپ نے دونوں میں لڑائی کروا دی۔ جھگڑا خون خرابے کی شکل اختیار کر گیا اور اس میں احمد خان کے دو بیٹے اور پیر محمد کا ایک بیٹا مارا گیا۔ ان دو گروہوں کی لڑائی کو دیکھتے ہوئے گوجر سنگھ بھنگی پیر محمد خاں کی مدد کے لیے آیا۔ چنانچہ انہوں نے لڑائی کے دوران احمد خاں کو تنگ گھاٹیوں کی طرف دھکیل دیا۔ احمد خاں نے اپنی شکست تسلیم کی اور توپ سے دست بردار ہو گیا۔ گوجر سنگھ نے توپ پیر محمد خاں کے حوالے کرنے کے بجائے اپنے پاس رکھی اور دھوکے سے ہتھیا کر گجرات لے آیا۔ دو سال تک یہ توپ گوجر سنگھ کے پاس رہی۔ 1772ء میں چٹھوں نے اس توپ کو اپنی ہمت سے واپس لے لیا۔ اگلے برس یعنی 1773ء میں سردار جھنڈا سنگھ بھنگی نے ملتان سے واپس آتے ہوئے حملہ کیا اور توپ پر قابض ہو گیا۔ وہ اسے بھنگیوں کے قلعے یعنی امرتسر لے گیا۔ اس دوران بہت سی عجیب و غریب روایات بھی مشہور ہو گئیں۔ کچھ ہندو اس توپ کو شیوا جی کا اوتار کہنے لگے اور کچھ کے نزدیک یہ توپ فتح و کامیابی کی شرط اور علامت بن چکی تھی۔

1802ء تک یہ توپ بھنگیوں کے قلعے میں رہی۔ اسی سال رنجیت سنگھ نے بھنگیوں کو امرتسر سے چلتا کیا اور توپ قبضے میں لے لی۔ رنجیت سنگھ نے اسے ڈسکہ، قصور، سجان پور، وزیر آباد اور ملتان کی لڑائیوں میں زبردست طریقے سے استعمال کیا مگر 1818ء میں ملتان کے محاصرے میں ایک حادثے میں اس توپ کو خاصہ نقصان پہنچا۔ جب یہ ٹھیک نہ ہوئی تو اسے لاہور لایا گیا اور دلی دروازے کے باہر لگا دیا گیا۔ زمزمہ توپ 1870ء تک وہیں پڑی رہی۔ اسی سال ''ڈیوک آف ایڈنبرا'' کی لاہور آمد کے موقع پر توپ کو عجائب گھر کی پرانی عمارت، ٹولنٹن مارکیٹ کے سامنے نصب کر دیا گیا۔ اس وقت سے یہ توپ وہیں پڑی ہے اور ہر گزرنے والے کی توجہ اپنی جانب مبذول کرواتی ہے۔ زمزمہ توپ کی سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ اس نے نہ صرف خود بڑی بڑی لڑائیوں میں حصہ لیا بلکہ کچھ لڑائیاں تو صرف اس کے حصول کی خاطر لڑی گئیں۔

جب انگریزوں نے سکھوں کو شکست دینے کے بعد پنجاب پر قبضہ کر لیا تو بارہ سو پچاس کے قریب توپیں ان کے قبضے میں آئیں۔ انہی میں زمزمہ توپ بھی شامل تھی۔ اس توپ کا تذکرہ انگریزی زبان کے معروف شاعر رڈیارڈ کپلنگ نے بھی اپنی کتابوں میں کیا ہے اور اسے ''کمز گن'' (Kims Gun) کا نام دیا۔ اس نام سے بھی اس توپ کو بہت شہرت ملی۔

مختلف جنگوں کے دوران توپ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ دھکیلنے کے لیے سینکڑوں فوجیوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جب یہ توپ مسلمانوں کے پاس تھی تو بہت سے سکھوں کی موت کا باعث بنی اور جب سکھوں کے ہاتھ آئی تو مسلمان بھی اس کا نشانہ بنے۔ 1960ء میں جو یادگاری ڈاک ٹکٹ جاری ہوا، اس پر لاہور کے اس امتیازی نشان کی تصویر موجود تھی۔ پاکستانی افواج نے اس توپ کو موسم کی سختیوں سے بچانے کے لیے اس کی مرمت وغیرہ کی۔ توپ کا نیا چبوترہ سنگِ مرمر سے بنایا گیا اور اسے دوبارہ 15 جنوری 1978ء کو اپنی اصل جگہ پر رکھ دیا گیا۔ آج یہ توپ لاہور کے مال روڈ پر ایک چبوترے پر موجود ہے۔ پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس، جناح ہال، نیشنل کالج آف آرٹس اور عجائب گھر کے سنگم پر واقع چوک پر زمزمہ توپ پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔ زمزمہ توپ کے آس پاس لگے فوارے اور روشنیاں اس کی خوب صورتی میں اضافہ کرتی ہیں۔ ان فواروں کا افتتاح نومبر 1987ء کو کیا گیا۔ دن کے وقت توپ کے ارد گرد سینکڑوں کبوتر ''غٹرغوں غٹرغوں'' کرتے نظر آتے ہیں جو یقیناً زمزمہ توپ کے ارد گرد کے ماحول کو پُرکشش بناتے ہیں۔ زمزمہ توپ، لاہور عجائب گھر کی ملکیت اور اہم نوادرات میں سے ایک ہے۔ اسے تاریخی ورثے کی حیثیت حاصل ہے۔

آج بھی بچے جب اس توپ کے پاس سے گزرتے ہیں تو اپنے والدین یا بڑوں سے اس کے بارے میں سوال ضرور کرتے ہیں۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس تاریخی زمزمہ توپ کی حفاظت کے لیے مناسب اقدامات کیے جائیں کیوں کہ یہ ہمارا قومی ورثہ ہے۔

☆☆☆

صاف کہتی ہے یہ مولود کی ہر جنبش پا
ہم تو بچپن ہی سے پابندِ سفر ہوتے ہیں
(ایاز اصغر شاہین، ملک وال)

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں
☆

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں
تو ہندوستان کا ہر پیر و جواں بے تاب ہو جائے
(بشریٰ حسینی، کلورکوٹ)

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
(محمد احمد خان غوری، بہاول پور)

صدق خلیل بھی ہے عشق، صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق
(جویریہ غوری، بہاول پور)

عشق قاتل سے بھی مقتول سے ہمدردی بھی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا
سجدہ خالق کو بھی ابلیس سے یارانہ بھی
حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا؟
(معتصم الٰہی، شیخوپورہ)

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوزِ جگر ہے، علم ہے سوزِ دماغ
علم میں دولت بھی ہے، قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ
(محمد حامد رضا، بھوآنہ)

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا
(غزالہ حبیب، تاندلیانوالہ)

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
☆

پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی
یہ بھی نہ جانا کہ تبسم موت کا پیغام ہے
(ایاز احمد، لاہور)

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
☆

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
(ثانیہ امتیاز، لاہور)

پھلا پھولا رہے یا رب! چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں
مرے اشعار اے اقبال! کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
مرے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درد انگیز نالے ہیں
(خدیجہ تحریم، رینالہ خورد)

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے
☆

جو رکے تو کوہِ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہِ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا
☆

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے حالات کے خونی منظر سے
جس دور میں جینا مشکل ہو اس دور میں جینا لازم ہے
(منیبہ افضل مغل، گوجرانوالہ)

☆☆☆

آئرس

آئرس (Iris) خوب صورت پھول پیدا کرنے والا پودا ہے۔ اسے عموماً سوسن کہا جاتا ہے۔ یونانی زبان میں آئرس کا مطلب ہے

''قوس قزح''۔ اس پودے (Genus) کی 275 سے زائد انواع (Species) ہیں جب کہ اس کا خاندان "IRIDACEAE" ہے۔ اس پودے کا تنا ادرک کی طرح کا رائزدم (Rhizome) ہے۔ پھول کی تین پتیاں (Petals) ہوتی ہیں۔ اس زیبائشی پودے کا پھول خوب صورت ہوتا ہے۔ اس کے پودے کی جڑیں پرفیوم اور ادویات بنانے میں استعمال ہوتی ہیں۔ پھول کی پتیوں سے تیل نکالا جاتا ہے جو طب الروائع یعنی خوشبو سے علاج کے لیے استعمال ہوتا ہے جس سے مریض کی بے خوابی دور کی جاتی ہے جب کہ اس پھول کے تنے سے بھی دوائی بنتی ہے جو شیر خوار بچوں کے دانت نکلنے کے دنوں میں اہم ہے۔ آئرس امریکہ (America) کی ریاست ٹینیسی (Tennessee) کا قومی پھول ہے۔ یہ ریاست جارجیا اور کیرولینا کے نزدیک ہے۔ آئرس کے پھول کی پتیاں بلجیئم کے علاقے برسلز (Brussles) کے پرچم پر بنی ہیں۔ آئرس کا پھول جرأت، یقین اور عقل مندی کی علامت ہے۔

مہاشیر

پاکستان میں سردیوں کے موسم میں بکثرت شکار اور کھائے جانے والی مچھلی مہاشیر ہے جس کا سائنسی نام "TOR" ہے جب کہ اس کی کئی انواع (Species) ہیں۔ اس کے خاندان کو "Cyprinidae" کہتے ہیں۔ یہ ریڑھ کی ہڈی رکھنے والا آبی جانور ہے۔ جو ملائشیا، انڈونیشیا، پنسلوانیا، نیپال اور پاکستان میں قدرتی طور

پر تازہ پانی میں موجود ہے۔ مہا کا مطلب بڑا (Big) اور شیر (Lion) لیا جاتا ہے۔ برطانیہ کے زیر تسلط علاقے ریاست کوروائی (Kurwai State) انڈیا میں جہاں مسلم حکمران محمد دلیر خاں (1715ء) کی حکومت تھی، نامور شخصیات کے لباس "Coat of Arm" پر گھوڑے اور مہاشیر مچھلی کا نشان بنا تھا۔ محمد دلیر خاں کا تعلق اورکزئی قبیلے سے تھا اور یہ بھوپال (بھارت) کے نواب دوست محمد خاں کا کزن تھا۔ اس وقت بھی مہمانوں کی تواضع پہاڑی علاقے کے تازہ پانی سے مہاشیر مچھلی کا شکار کر کے کی جاتی تھی۔ غذائی اعتبار سے مہاشیر (Mahsheer) پروٹین کا بے مثال خزانہ ہے۔ اس میں سوڈیم، پوٹاشیم، وٹامن C، وٹامن B-6 اور وٹامن B-12 خاصی مقدار میں موجود ہیں جب کہ گوشت میں ان کے علاوہ کیلشیم، آئرن اور میگنیشیم بھی پایا جاتا ہے۔ اس کے گوشت میں چکنائی بھی موجود ہوتی ہے جو سردی سے بچاتی ہے۔

شنگھائی ٹاور

شنگھائی ٹاور (Shanghai Tower) چین (China) کی بلند ترین عمارت ہے۔ اس فلک بوس عمارت کی بلندی 632 میٹر (2073 فٹ) ہے جس میں 127 منزلیں ہیں۔ سال 2016ء کے ریکارڈ کے مطابق یہ دوبئی میں برج خلیفہ کے بعد سب سے بلند ترین عمارت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس عمارت میں دُنیا کی تیز ترین لفٹ نصب ہے جس کی رفتار 20.5 میٹر فی سیکنڈ ہے۔ یعنی یہ لفٹ 74 کلو میٹر فی گھنٹہ کے حساب سے چلتی ہے۔ اس عمارت میں دُنیا کا بلند ترین مشاہداتی ٹاور (Observation Deck) بھی قائم ہے جہاں سے طویل فاصلے تک دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ عظیم الشان عمارت شنگھائی

ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کے زیرِاہتمام ہے جسے "GENSIER" نے ڈیزائن کیا۔ یہ ایک سان فرانسسکو امریکہ کی عمارت بنانے والی فرم ہے۔ اس فرم کے 16 مختلف ممالک میں 46 شہروں کے اندر دفاتر موجود ہیں۔ یہ عمارت مختلف مقاصد کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اس کی تعمیر پر 2.4 ارب ڈالر (امریکن ڈالر) صرف ہوئے۔ اس عمارت کی 5 منزلیں زیرِ زمین ہیں۔ اس بلڈنگ میں چھت تک لے جانے کے لیے 106 لفٹ (Elevators) استعمال ہوتی ہیں۔ یہ عمارت ایک وقت میں 16000 افراد کو سما سکتی ہے۔ اس کی 84 ویں منزل پہ 258 کمروں پر مشتمل ہوٹل بھی ہے۔ اس بل کھاتی عمارت میں لگا مخصوص شیشہ ہوا کے دباؤ کو کم کرتا ہے۔

ملکہ وکٹوریہ

ملکہ وکٹوریہ (Queen Victoria) برطانیہ کی ملکہ تھیں۔ آپ 24 مئی 1819ء کو لندن میں پیدا ہوئیں۔ آپ پرنس ایڈورڈ (Edward) کی صاحبزادی تھیں۔ ابتدائی تعلیم لندن سے حاصل کرنے کے بعد 30 جون 1837ء سے 22 جنوری 1901ء تک برطانیہ (England) کی ملکہ کے طور پر خدمات سرانجام دیں جب کہ یکم مئی 1876ء سے 22
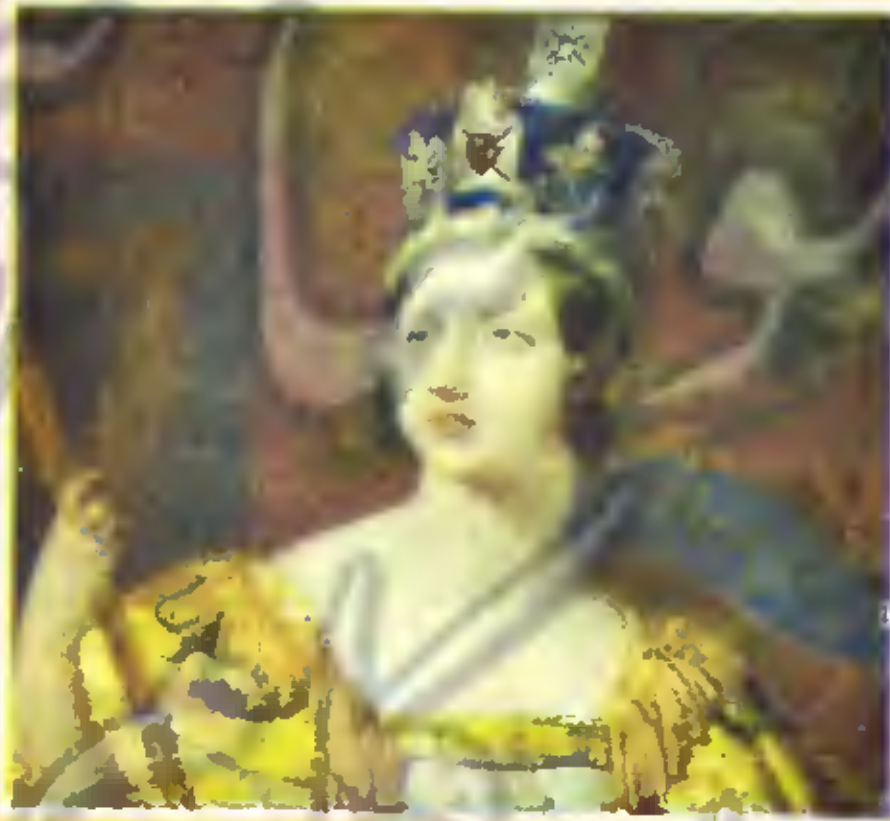
جنوری 1901ء تک زیرِ تسلط انڈیا کی ملکہ بھی رہیں۔ ملکہ وکٹوریہ کی 10 فروری 1840ء کو البرٹ (Albert) سے شادی ہوئی۔ مختلف اوقات میں ملکہ کے آٹھ شہزادیاں اور شہزادے پیدا ہوئے۔ 14 دسمبر 1861ء کو پرنس البرٹ کو موت نے آ لیا۔ ملکہ وکٹوریہ نے لگ بھگ 82 برس (81 سال 8 ماہ) کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کا یومِ وفات ہر سال 22 جنوری کو منایا جاتا ہے۔ 4 فروری 1901ء میں ملکہ کی پوری شان و شوکت کے ساتھ تدفین کی گئی۔ ملکہ کے نام پر آسٹریلیا میں ایک صوبے کا نام وکٹوریہ رکھا گیا ہے۔ افریقہ میں بھی ایک جھیل کا نام وکٹوریہ ہے۔ برطانیہ کے بڑے فوجی اعزاز کو بھی وکٹوریہ کہا جاتا ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ پودوں (Plants) کی فیملی "NYMPHAEAGEAE" میں ایک پودے کے نام کے ساتھ بھی وکٹوریہ لکھا جاتا ہے۔ پودے کا مکمل نام وکٹوریہ ایمازونیکا "Victoria Amazonica" ہے۔

☆☆☆

ایک دن سلطان محمد شکار کے لیے نکلے۔ وہ اس وقت بہار کے حاکم تھے۔ نوجوان فرید خان بھی ان کے ساتھ تھے۔ اچانک ایک طرف جھاڑیوں سے ایک قوی الجثہ شیر نکلا اور سلطان پر حملہ آور ہوا۔ سلطان اس حملے سے حواس باختہ ہو گئے، لیکن فرید خان نے حاضر دماغی کا ثبوت دیا اور بالکل نہ گھبرائے۔ انہوں نے نیام سے تلوار نکال کر شیر پر حملہ کر دیا۔ ان کی تلوار شیر کے جسم سے آر پار ہو گئی۔ شیر کی کربناک دھاڑ جنگل میں گونجنے لگی اور پھر شیر کی خون میں نہائی لاش ان دونوں کے قدموں میں پڑی ہوئی تھی۔

سلطان محمد اس واقعے اور فرید خان کی ہمت و جرأت سے بے حد متاثر ہوئے۔ انہوں نے فرید خان کو ''شیر خان'' کا خطاب دیا۔ بعد میں انہوں نے فرید خان کو اپنے چھوٹے بیٹے کا اتالیق (اُستاد) بھی مقرر کیا۔ کچھ عرصے بعد سلطان خان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے جلال خان حکمران بنے۔ جلال خان کو اپنی والدہ کی سرپرستی حاصل تھی۔ جلال خان کی والدہ کے انتقال کے بعد حکومت عملاً فرید خان کے ہاتھ میں آ گئی۔

یہ فرید خان تاریخ میں شیر شاہ سوری کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ 1485ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق افغان قبیلے ''سور'' سے تھا، اس لیے سوری نام کا حصہ بنا۔ فرید خان نے جب ہوش سنبھالا تو خود کو سوتیلی ماں کے رحم و کرم پر پایا۔ اس صورت حال میں وہ جونپور چلے گئے۔ وہاں وہ جمال خان کے مہمان رہے۔ اس وقت جونپور علم و فن کی بلندیوں پر تھا۔ فرید خان نے فارسی کی کئی درسی کتب پڑھ کر علم میں کمال حاصل کیا۔

بعد میں فرید خان کو حسن سوری نے اپنی جاگیر کا ناظم مقرر کیا۔ فرید خان نے جاگیر کے بگڑے ہوئے معاملات کو جس انداز سے درست کیا وہ ان کے حسن تدبر اور لیاقت کی گواہی دے رہا تھا۔

سلطان محمد خان اور ان کی بیوی کے انتقال کے بعد فرید خان عملاً بہار کا حکمران بن چکا تھا۔ بعد میں آگرہ اور دہلی پر بھی قبضہ ہو گیا تو انہوں نے ''شیر شاہ'' کا لقب اختیار کیا اور اپنے زیر نگین علاقوں میں اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا۔

شیر شاہ سوری اچھا دینی مزاج رکھتے تھے۔ علماء کرام کی صحبت

میں اُٹھنا بیٹھنا اور ان سے دین کا علم حاصل کرنا ان کی مصروفیت کا حصہ تھا۔ وہ اپنی عبادت کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا حکمران کے لیے لازم ہے کہ اللہ کی عبادت کرے، تا کہ رعایا بھی اس طرف راغب ہو۔ شیر شاہ سوری اپنے معاملات شریعت کے مطابق انجام دیتے تھے۔

وہ رعایا کے لیے بے حد شفیق تھے۔ بھوکوں کو سرکاری مطبخ (باورچی خانے) سے کھانا فراہم کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ملک بھر میں محتاجوں اور ضرورت مندوں کے لیے حکومت کی طرف سے وظیفہ مقرر کیا جاتا تھا۔ وہ کسی شخص کو بے کار رہنے نہیں دیتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ''بے کاری سے بد اخلاقی پیدا ہوتی ہے۔ بد اخلاقی معاشرے کی تباہی کی ذمہ دار ہے۔'' وہ خود بھی ہر وقت کام میں مصروف رہتے تھے۔ وہ ہر قسم کا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے۔

ان کی زندگی لگے بندھے اوقات کار پر مبنی تھی۔ رات کے آخری حصے میں بیدار ہو کر نماز تہجد ادا کرتے۔ وظیفہ پڑھتے اور پھر امورِ مملکت کا جائزہ لیتے اور ضروری احکامات لکھواتے۔ اس کے بعد نمازِ فجر با جماعت ادا کرتے۔ عموماً دوپہر 12 بجے تک ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ وہ موصول ہونے والے خطوط کے جوابات لکھواتے۔ مظلوموں کی دادرسی کرتے، سفراء (سفیر کی جمع، مختلف ممالک کے نمائندے) سے ملاقات کرتے۔

دوپہر کا کھانا وہ علمائے کرام کے ساتھ تناول فرماتے۔ نمازِ ظہر کے بعد قرآنِ پاک تلاوت کرتے اور اس کے بعد قیلولہ کرتے تھے۔ عصر سے مغرب تک فوجی مشقوں کا جائزہ لیتے۔ اس کے بعد امورِ مملکت کے کام انجام دیتے۔ نمازِ عشاء کے بعد وہ سونے کی تیاری کرتے۔

تجارت کے فروغ کے لیے انہوں نے سڑکوں کا جال بچھایا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ جرنیلی سڑک کی تعمیر ہے۔ یہ سڑک روہتاس سے سنار گاؤں (موجودہ بنگلہ دیش) تک دو ہزار میل لمبی ہے۔ اب یہ سڑک جی ٹی روڈ کہلاتی ہے اور پشاور سے کلکتہ کو ملاتی ہے۔

ایک اور سڑک آگرہ سے دکن کی سرحد پر برہان پور تک تعمیر کی گئی تھی۔ تیسری سڑک آگرہ سے جودھ پور اور جتور تک بنوائی گئی تھی۔ ان تمام سڑکوں پر سایہ دار درختوں اور سرایوں (سرائے کی جمع) کا بھی خصوصی اہتمام تھا۔

شیر شاہ سوری نے دہلی کو بھی دوبارہ بسایا۔ اس وقت یہ شہر جمنا سے دُور واقع تھا۔ اس نے اسے جمنا کے کنارے بسایا۔ انہوں نے وہاں کی جامع مسجد بھی تعمیر کروائی۔ ان کے دور میں ڈاک کا اعلیٰ نظام بھی بنایا گیا۔ شیر شاہ سوری نے سکے (کرنسی) کی اصلاح بھی کی اور ملک میں چاندی کی اصل قیمت کے مطابق ایک تولے کا سکہ رائج اور اس کا نام ''روپیہ'' رکھا۔ برصغیر میں یہی سکہ آج بھی رائج ہے۔

انہوں نے پولیس کے نظام کو بھی مؤثر بنایا۔ امن و امان کا یہ عالم تھا کہ کوئی سونے کے زیورات کی گٹھڑی رکھ کر کسی ویران شاہ راہ پر بھی سو جاتا تو وہ خود کو محفوظ سمجھتا تھا۔

انہوں نے جہلم کے قریب ایک قلعہ روہتاس بھی بنوایا جس کے آج بھی نشانات موجود ہیں۔ ایک روز دوپہر کے کھانے کے دوران انہیں ایک عالم کی یہ بات دل کو لگی کہ ''کفار کے خلاف جہاد سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔'' انہوں نے کھانے کے بعد فوراً کفار کے اس قلعے پر آتشیں بموں سے حملے کا حکم دیا، جس پر وہ کئی ماہ سے محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ یہ بم اس دور میں حقے کہلاتے تھے۔ گولہ باری کے دوران اتفاق سے ایک گولہ قلعے کی دیوار پر لگا اور پلٹ کر واپس اسی جگہ آ گرا جہاں شیر شاہ کی فوج نے گولہ بارود کا ذخیرہ کیا ہوا تھا۔ اسی گولے کے پھٹنے سے گولہ بارود کے ذخیرہ میں آگ لگ گئی۔ شیر شاہ اسی ذخیرے کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔ وہ بُری طرح جھلس گئے۔ انہیں اٹھا کر خیمے میں لایا گیا۔ نیم بے ہوشی کی حالت میں بھی وہ اپنے ساتھیوں کو ''ڈٹے رہو، آگے بڑھو!'' کا حکم دیتے رہے۔

شام کو عصر کے بعد قلعہ فتح ہوا اور جب انہیں یہ خوش خبری سنائی گئی تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی اور لب پر کلمہ طیبہ کا ورد جاری ہو گیا۔ اسی عالم میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ اس روز 22 مئی 1545ء کی تاریخ تھی۔ وہ کہا کرتے تھے:

''کوئی طاقت عدل کے برابر نہیں۔''

☆☆☆

سمیعہ ظفر اقبال، راولپنڈی

میں بڑی ہو کر عالم دین بنوں گی اور دین اسلام کی خدمت کروں گی ان شاء اللہ!

فراست علی، کراچی

میں بڑا ہو کر فوجی افسر بنوں گا اور ماں باپ کا نام روشن کروں گا۔

عظمیٰ شہزادی، گجرات

اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے رفاع عامہ کے کام کروں گی۔

عبداللہ آصف، اسلام آباد

میں بڑا ہو کر انجینئر بنوں گا اور ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

ام حبیبہ، لاہور

میری زندگی کا مقصد صحیح معنوں میں عالمہ بننا ہے اور دین کی تبلیغ کر کے سب کو راہ راست پر لانا ہے۔

مریم طاہرہ، فیصل آباد

میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی اور غریبوں کا مفت علاج کراں گی۔

حسن نعیم، ٹنکمرسٹی

میں بڑا ہو کر پروفیسر بنوں گا اور ملک بھر کے بچوں میں علم کی روشنی پھیلاؤں گا۔

عبدالرافع عمر، راول پنڈی

میں بڑا ہو کر ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

شایان حسن، ٹیکسلا

میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بنوں گا اور غریبوں کا مفت علاج کروں گا۔

بابا چوہدری، سیالکوٹ

میں ڈاکٹر بن کر غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔

احمد بلال، بھوآنہ

آرمی آفیسر بن کر ملک و قوم کا نام روشن کروں گا۔

سید تیمور علی خالد، جھنگ صدر

میں بڑا ہو کر پائلٹ بنوں گا اور ملک و قوم کی خدمت کراں گا۔

محمد خرم شاہین، لیہ

عالم دین بن کر ساری دنیا میں اسلام پھیلاؤں گا۔

فاطمہ، لاہور

میں ڈاکٹر بن کر پاکستان سے بیماریاں دور کروں گی۔

عبداللہ عدیل، راولپنڈی

میں بڑا ہو کر فائٹر پائلٹ بنوں گا اور ملک کی حفاظت کروں گا۔

جویریہ آصف، اسلام آباد

میں بڑی ہو کر آرمی ڈاکٹر بنوں گی۔

حمزہ جاوید، کھاریاں

میں بڑا ہو کر فوجی افسر بنوں گا اور اپنے والدین و استاد کا نام روشن کروں گا۔

عیشہ فاطمہ، فیصل آباد

میں علم کی شمع روشن کر کے علم کی روشنی پھیلاؤں گی۔

زینب فاطمہ، لاہور

شیف بن کر مزے مزے کے پکوان کھلاؤں گی۔

اچھی باجی نام کی طرح اچھی تھی۔ گھر کے کاموں میں پھرتیلی، پڑھائی میں بھی ہوشیار، نماز بھی پابندی سے پڑھتی اور بڑوں کا کہا بھی مانتی...... مگر اچھی باجی میں ایک عادت بُری تھی جو ساری اچھی عادات پر پانی پھیر دیتی۔ گھر والوں نے ہر طرح سے سمجھا کر دیکھ لیا مگر ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگتی اور اپنی چالاکی سے وہ سب کو ہر بار قائل کر ہی لیتی مگر بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی......؟

آج صبح ہونے والی بارش کی وجہ سے موسم بہت ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ صحن سے اُٹھنے والی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو سبھی کو بھا رہی تھی۔

''اچھی باجی! آپ کی سہیلی سیانی باجی آئی ہیں۔'' وہ کپڑے پریس کر رہی تھی، جب ان کی چھوٹی بہن نے آکر اطلاع دی۔ ''اچھا! آج تو بڑے دنوں بعد چکر لگایا ہے، یقیناً بہت سی چٹ پٹی باتیں ہوں گی اس کے پاس۔'' اچھی باجی کی بڑبڑاہٹ پیاری نے بھی سنی تو سر جھٹک کر واپس چلی گئی۔

''تم بتاؤ ناں آج کل محلے میں کیا کیا ہو رہا ہے۔ میرے امتحانات تھے اس لیے کچھ خبر ہی نہیں۔'' اچھی باجی نے ہمیشہ کی طرح معصوم چہرے کے ساتھ کہا تو سیانی جو اپنی پکی سہیلی کے ہاتھوں ہر بار بیوقوف بن جاتی، اب بھی فوراً مان گئی۔ دراصل ہر وقت دوسروں کے بارے میں باتیں کرتے رہنے کا اسے خود بھی شوق تھا۔

''اچھا! لیکن پہلے وعدہ کرو...... کسی کو نہیں بتاؤ گی۔'' آخر وہ سیانی باجی تھی۔

''اچھا بھئی وعدہ! کسی کو نہیں بتاؤں گی۔'' اور یہ بھی اچھی باجی تھی، اس لیے فوراً ہامی بھر لی۔

''وہ جو نکڑ والی معصومہ ہے ناں...... وہ بائیالوجی کے پرچے میں فیل ہو گئی ہے۔'' سیانی باجی نے رازدارانہ انداز میں بتایا۔

''ہاں...... اس نے تو بڑے شوق سے سائنس رکھی تھی...... فیل کیسے ہو گئی اور تمہیں کس نے بتایا؟''

''ہاں، شیخی تو بہت بگھارتی تھی...... اور مجھے کس نے بتانا ہے۔ زبردستی اگلوایا، اس کے گھر جا کر...... تمہیں پتا ہے میرا، میں کتنی سیانی ہوں۔'' سیانی باجی نے اتراتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھئی، آخر سہیلی کس کی ہو......'' اچھی باجی نے کہا تو دونوں ہنسنے لگیں اور ساتھ ہی معصومہ کا مذاق بنانے لگیں۔ ''اب میں چلتی ہوں لیکن تم وعدہ کرو معصومہ سے کوئی بات ہوئی تو اسے یہ مت کہنا کہ میں نے تمہیں کچھ بتایا ہے۔'' جاتے جاتے سیانی باجی نے پھر یاد دلایا۔ ''کیا تو ہے وعدہ؟''

کچھ دنوں بعد کی بات تھی جب امی نے حلوہ بنا کر پورے محلے میں بانٹا۔ اس نے جانے کی فوراً ہامی بھر لی وہ تو پہلے ہی موقع کے

انتظار میں تھی کہ کب معصومہ کے گھر جانا ہوتا کہ مزید سن گن مل سکے۔

معصومہ اپنی معصوم صورت لیے اداس بیٹھی تھی۔ جب اچھی باجی نے اس کی دکھتی رگ چھیڑ کر اسے مزید پریشان کر دیا۔ ''تمہیں کس نے بتایا؟'' ''اوہو بھئی، سب کو یہ بات معلوم ہے، لیکن تم بتاؤ ناں کیا تم پڑھتی نہیں تھی، کیا بہت مشکل مضمون تھا؟'' اچھی باجی اس کے دل کی حالت کی پرواہ کیے بغیر کہنے لگیں۔ ''لیکن میں نے کسی کو ابھی کچھ نہیں بتایا تھا، تمہیں کیسے معلوم ہوگیا؟'' معصومہ اب تک حیران تھی۔

''اچھا جی، تو کیا سیانی باجی کو بھی نہیں بتایا تھا۔'' سچی بات اچھی باجی کے منہ سے نکل ہی گئی۔

''کیا؟ اس نے کیا ہے یہ سب...... بہت افسوس کی بات ہے۔ میں نے اسے منع بھی کیا تھا...... اور جہاں تک بات ہے میرے فیل ہونے کی، تو تم کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں مزید محنت کرکے ناصرف پاس ہوجاؤں گی بلکہ شاندار نمبر حاصل کروں گی۔ اگر امتحانوں سے ایک ہفتہ پہلے مجھے ٹائیفائیڈ نہ ہوتا تو تمہیں مجھ پر افسوس کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔'' معصومہ نے اسے حقیقت بتائی جو اچھی باجی کو ایک آنکھ نہ بھائی اور ''ہونہہ'' کہہ کر واپس چلی گئی۔

اس سے اگلے دن ہی شدید ناراضی کے عالم میں سیانی باجی، اچھی باجی کے گھر پہنچی۔ ''تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم معصومہ کو کچھ نہیں بتاؤ گی، مگر تم نے وعدہ خلافی کی۔''

''میں نے کیا وعدہ خلافی کی ہے......؟ کیا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں معصومہ کو یہ نہیں بتاؤں کہ تم نے مجھے اس کے فیل ہونے کے بارے میں بتایا ہے۔'' اچھی باجی کے سیانے پن پر سیانی باجی چونکی۔

''ارے!! اچھی تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا...... یہ غلط بات ہے۔ جانتی ہو معصومہ مجھ پر کتنا غصے ہو رہی تھی...... اس نے اپنا راز مجھے بتایا تھا اور تم......'' سیانی باجی روہانسی ہوگئی۔

''تو پھر تو یہ سراسر تمہاری غلطی ہے...... جب اس نے اپنا راز تمہیں بتایا ہی تھا تو تمہیں اسے امانت کی طرح چھپا کر رکھنا چاہیے تھا...... بجائے اس کے کہ تم فوراً آکر مجھے بتاتی اور اس بے چاری کا مذاق بناتی۔'' اچھی باجی کے آئینہ دکھانے پر سیانی باجی لاجواب ہوگئی۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی، غلطی تو اس کی اپنی تھی جب وہ خود ہی کسی کی بات کا پردہ نہ رکھ سکی تو کسی دوسرے سے کیسے امید کی جاسکتی تھی۔

سیانی باجی کو اس بار اپنی غلطی کا احساس ہو ہی گیا کہ اسے معصومہ کا اعتبار توڑنا نہیں چاہیے تھا اور اچھی باجی پر بھروسا کرنا نہیں چاہیے تھا۔ سیانی باجی خاموشی سے واپس چلی گئی اور معصومہ سے جا کر اپنی غلطی کی معافی مانگی۔

سیانی باجی نے اپنے کیے کی سزا بھگت لی تھی، لہٰذا اس نے سوچا کہ اب اچھی باجی کو بھی اس کی چالاکی کا مزہ چکھانا چاہیے تاکہ اس کی بھی اصلاح ہو کیونکہ وہ سیانی باجی تھی لہٰذا اس نے ایک ترکیب لڑائی۔ اب بس وہ موقع کی تلاش میں تھی۔

نتائج کے اعلان کے بعد نئی جماعتوں کا آغاز ہوا تھا، لہٰذا اسکول میں طلباء کم کم ہی تھے۔ مس حاضری لگا رہی تھیں، جب اچھی باجی کا رول نمبر بولا گیا تو سیانی باجی اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔ ''مس وہ کہہ رہی تھی کہ وہ آج نہیں، کل آئے گی۔''

''لیکن آج ٹیسٹ ہے، اسے معلوم نہیں ہے کیا؟''

مس وہ کہہ رہی تھی کہ وہ آج نہیں تو کل ٹیسٹ دے ہی دے گی۔ سیانی باجی نے من وعن اچھی باجی کا پیغام مس تک پہنچایا۔

''اچھا، مگر وہ اتنی لاپرواہ ہے تو نہیں۔'' مس حیران ہونے کے ساتھ ساتھ ناراض بھی ہوئیں۔

اگلے دن اچھی باجی، سیانی باجی کے سر ہوئی۔ ''تم نے مس کو بتایا نہیں تھا کہ میں کل آکر ٹیسٹ دوں گی......''

''بتایا تھا۔''

''تو پھر مس نے مجھے کیوں ڈانٹا...... تم جھوٹ بول رہی ہو۔''

''یہ تو تم خود سے پوچھو یا مس سے پوچھ لینا، میں نے مس کو بتایا تھا کہ تم آج نہیں تو کل کو ٹیسٹ دے ہی دو گی، اب تم نے مجھے یہ تو نہیں بتایا تھا ناں کہ تم کون سے والے کل کی بات کر رہی ہو۔ گزرے کل کی، آج والے کل کی یا پھر اس سے اگلے کل کی......''

سیانی باجی نے اس انداز سے کہا کہ کمرے میں داخل ہوتی پیاری بہن ہنسنے لگی۔ اس نے ساری باتیں سن لی تھیں اور سب سمجھ گئی تھی۔

''تم نے مجھ سے بدلہ لیا؟ تم نے اچھا نہیں کیا۔'' اچھی باجی کو افسوس ہوا جیسے ہی انہیں ساری بات سمجھ میں آئی۔ ''لیکن اچھی باجی اس میں آپ کی ہی بھلائی ہے۔ اب آپ کو احساس ہوا، کسی کی برائی کرنا، ایک بات اِدھر سے اُدھر کرنا اور جھوٹ بولنا کتنی غلط بات ہے۔'' (بقیہ صفحہ نمبر 39)

موتی کیسے بنتے ہیں؟

آپ نے سیپی دیکھی ہوگی، یہ ایک سمندری جان دار کا خول ہوتا ہے، جسے صدفہ (Oyester) کہتے ہیں۔ جب صدفہ بچہ ہوتا ہے تو اس کا خول نہیں ہوتا اور وہ جیلی کے ایک ننھے سے ٹکڑے کی طرح سمندر کی سطح پر بہتا پھرتا ہے۔ کچھ دنوں بعد اس کے جسم کے چاروں طرف خول بننا شروع ہوتا ہے۔ جوں جوں خول بڑھتا اور سخت ہوتا ہے، صدفہ بھاری ہوتا جاتا ہے اور جب زیادہ بھاری ہو جاتا ہے تو سمندر کی تہہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ یہاں اسے ایک جگہ ٹکنے کے لئے کسی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سہارا عام طور پر کوئی چھوٹی سی چٹان یا سمندری جھاڑی وغیرہ ہوتی ہے۔

جب صدفے کو بھوک لگتی ہے تو وہ اپنا خول (سیپی) کھولتا ہے، جس سے تھوڑا سا پانی اس کے اندر چلا جاتا ہے۔ اس پانی میں ننھے ننھے کیڑے مکوڑے بھی ہوتے ہیں، جنہیں وہ کھا جاتا ہے۔

کبھی کبھار ریت کا کوئی ذرہ یا ایسی ہی کوئی سخت چیز پانی کے ساتھ صدفے کے پیٹ میں چلی جاتی ہے۔ یہ ذرہ صدفے کے پیٹ کی جھلی میں چبھتا ہے تو اسے تکلیف ہوتی ہے۔ اس چبھن کو دور کرنے کے لیے صدفہ کیلشیم کاربونیٹ جیسا لعاب دار مادہ خارج کرتا ہے، جو اس ذرے کے چاروں طرف لپٹ جاتا ہے اور کچھ عرصے بعد سخت ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد صدفہ مزید مادہ خارج کرتا ہے اور وہ بھی ذرے کے گرد لپٹ کر سخت ہو جاتا ہے۔ اس عمل کو وہ بار بار دہراتا ہے اور ہر بار لعاب دار مادے کی ایک تہہ ذرے پر چڑھ جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ ایک بڑا، سخت لیکن بہت خوب صورت موتی بن جاتا ہے۔ اس ذرے کو موتی بننے میں چار سال لگتے ہیں۔

سب سے اچھے اور قیمتی موتی خلیج فارس (پرشین گلف) میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے بعد سری لنکا، خلیج پناما، کیلی فورنیا، مغربی آسٹریلیا اور غرب الہند (ویسٹ انڈیز) کے موتیوں کا نمبر ہے۔

سمندر کی تہہ سے موتی نکالنے والے غوطہ خور صدفوں کو اسی وقت سمندر سے نکال لیتے ہیں جب وہ بھاری ہو کر تہہ میں بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ ان کے خول کھول کر ان میں ریت کے ذرے ڈال دیتے ہیں اور پھر انہیں تالاب میں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح انہیں بہت سے موتی مل جاتے ہیں۔ انہیں قدرتی موتی کہتے ہیں اور یہ بہت مہنگے داموں بکتے ہیں۔ مصنوعی موتی مصنوعی طریقوں سے بنائے جاتے ہیں۔ یہ بہت سستے ہوتے ہیں۔ ☆☆☆

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر 5-L / 79 ڈاکخانہ 5.L / 78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

محاورہ کہانی

زبیدہ سلطانہ

جلتی آگ میں تیل ڈالنا

افضل نے سگریٹ سلگایا اور بے دھیانی میں ماچس کی جلتی ہوئی تیلی پرے اُچھال دی، جو ردّی کی ٹوکری میں جا پڑی۔ ٹوکری میں پڑے ردّی کے کاغذ جلنے لگے۔ افضل باتوں میں مگن تھا، اسے خبر تک نہ ہوئی اور ٹوکری کے قریب رکھی ہوئی کتابوں کی میز کے کپڑے نے آگ پکڑ لی۔ کپڑا جلنے کی بو پر متوجہ ہو کر افضل کی بیوی چلائی۔ ''ہائے میں مرگئی، آگ...... افضل آگ لگ گئی!''

افضل بھی اُچھل پڑا۔ ''ارے جلدی سے کچھ لاؤ، آگ بجھاؤ۔'' اس نے گھبراہٹ میں بیوی کو دروازے کی طرف دھکیلا اور خود جلدی جلدی میز پر سے کتابیں ہٹانے لگا۔ افضل کی بیوی دوڑتی ہوئی گئی اور تیل کی کپی اُٹھا لائی اور آتے ہی بڑے مستعدی سے آگ پر تیل اُنڈیل دیا۔ شعلے اور بھی بھڑک اُٹھے، جن سے افضل کی بیوی کا دوپٹہ بھی جلنے لگا اور کتابیں تیل کی وجہ سے دھڑ دھڑ جلنے لگیں۔ افضل نے بیوی کا دوپٹہ نوچ کر باہر صحن میں پھینکا اور غسل خانے سے پانی کی بالٹی اُٹھا کر میز پر اُلٹ دی۔ آگ تو بجھ گئی مگر بہت سی قیمتی کتابیں اور کاغذ جل گئے۔ اب دونوں میاں بیوی بیٹھ کر ایک دوسرے کو الزام دینے لگے۔ بیوی بولی:

''تمہیں لاکھ بار کہا ہے ماچس کی جلتی ہوئی تیلی نہ پھینکا کرو، اب دیکھو تمہاری غفلت سے کتنا نقصان ہوگیا۔''

''میری وجہ سے اتنا نقصان نہ ہوتا جتنا تمہاری حماقت سے ہوا، بھلا جلتی ہوئی آگ پر تیل ڈالتے ہیں......؟ اس سے تو آگ اور بھڑکتی ہے، تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں...... میں تو سوچتا ہوں غصے اور فساد کی آگ کو بھڑکانے والے بھی تمہارے جیسے ہوتے ہوں گے جو اشتعال اور غصہ دلانے کے لیے کوئی نہ کوئی فقرہ کس دیتے ہوں گے جیسے تم نے اُٹھ کر جلتی پر تیل ڈالا۔''

افضل دیر تک بیوی پر غصہ نکالتا رہا، بلکہ جو کوئی پوچھتا، اسے بڑھا چڑھا کر بتاتا اور کہتا کہ ''یہ ہیں جی ہماری عقل مند بیگم صاحبہ جو جلتی پر تیل ڈالتی ہیں۔'' حتیٰ کہ یہ فقرہ سب کی زبان پر چڑھ گیا۔ بچو! اگر کوئی شخص فساد یا جھگڑا بڑھانے کے لیے کوئی اشتعال انگیز بات کرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں۔ '' بھئی، تم تو جلتی آگ میں تیل ڈال رہے ہو۔'' ☆☆☆

''بوجھو تو جانیں کا جواب''

کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ تھا تو بے چارہ غریب مگر نام تھا راجا۔ راجا کی ایک رانی تھی، اس کا نام تھا نوراں۔ اس کے دو بچے تھے۔ ایک کا نام چھمن تھا اور دوسرے کا ٹھمن۔ نوراں جتنی نیک تھی اتنی ہی خوبصورت تھی۔ ہنستی تو منہ سے پھول جھڑتے، روتی تو موتی مگر وہ روتی کبھی نہ تھی۔ اس لیے گھر میں پھول تو تھے، موتی نہ تھے۔

ایک دن رانی بولی۔ ''ارے راجا! ایک بات کہوں؟''

راجا بولا۔ ''کہو، مگر ایک ہی کہنا۔''

نوراں بولی۔ ''سُن تو سہی، یوں تو ہمارے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ چھوٹا سا گھر، تھوڑی سی زمین، دو بیل، دو گائیں لیکن پلے پیسا نہیں۔ جو تو کماتا ہے سب خرچ ہو جاتا ہے۔ کچھ جمع جتھا رکھنا بھی ضروری ہے کہ وقت پڑے تو کام آئے۔''

''پیسا کہاں سے لاؤں؟ ڈاکا ڈالوں؟'' راجا نے پوچھا۔

''توبہ کر توبہ!'' نوراں کانوں پر ہاتھ دھر کے بولی۔ ''ایسی بُری باتیں مُنہ سے نہیں نکالا کرتے۔ دیکھ تو، ہمارے پاس دو گائیں ہیں۔ دو کی کیا ضرورت ہے۔ ایک کو بیچ ڈال، جو پیسے ملیں گے ہم انہیں سنبھال کر رکھ لیں گے۔''

راجا نے کچھ دیر سوچا اور پھر بولا۔ ''بات تو ٹھیک ہے۔ بعض وقت تو تو میرے بھی کان کاٹنے لگتی ہے۔ لے، میں ابھی منڈی جاتا ہوں۔''

راجا نے گائے کھولی اور شہر لے گیا۔ شام تک منڈی میں کھڑا رہا مگر کوئی بھی گاہک نہ آیا۔ سورج ڈوبنے کو ہوا تو وہ گائے لے کر گھر کی طرف چلا۔ تھوڑی دُور گیا ہو گا کہ ایک کسان ملا، جس کے پاس ایک گھوڑا تھا اور وہ اسے بیچنا چاہتا تھا۔ راجا نے سوچا گائے تو میرے پاس ہے لیکن گھوڑا کوئی نہیں۔ یہ سوچ کر اس نے اپنی گائے اس کسان کو دے دی اور اس کا گھوڑا خود لے لیا۔

کچھ دُور اور آگے چلا تو ایک دوسرا کسان ملا۔ اس کے پاس ایک موٹی تازی بکری تھی۔ راجا نے اسے گھوڑا دے کر بکری لے لی۔ کچھ دُور جا کر اسے ایک تیسرا شخص ملا جس کے پاس بھیڑ تھی۔ راجا کو وہ بھیڑ اتنی اچھی لگی کہ اس نے بکری دے کر بھیڑ لے لی۔

چند قدم آگے بڑھا ہو گا کہ اُسے چوتھا آدمی ملا۔ اُس کے پاس ایک مُرغا تھا۔ راجا نے سوچا، بھیڑ تو بالکل نکمی ہوتی ہے۔ مُرغا بہت اچھا ہے۔ روز صبح سویرے بانگ دیتا ہے۔ یہ سوچ کر اُس

نے بھیڑ اُس شخص کو دے دی اور مُرغا خود لے لیا۔

اب گاؤں تھوڑی دُور رہ گیا تھا۔ چلتے چلتے راجا کے پیر تھک گئے اور مارے بھوک کے پیٹ میں چوہے قلابازیاں کھانے لگے۔ سامنے ایک قصبہ تھا۔ وہ قصبے میں گیا۔ پیسے نہیں کہ روٹی خرید کر کھاتا۔ سوچا کیا کروں۔ یکا یک بغل میں دبا ہوا مرغا زور سے پھڑ پھڑایا۔ اس نے سوچا۔ ''ارے! مرغے کو تو میں بھول ہی گیا۔ پیٹ کے آگے مرغے کی کیا حقیقت، کیوں نہ اسے بیچ ڈالوں؟''

اُس نے مرغا ایک شخص کے ہاتھ بیچ دیا اور تنور پر جا کر خوب ڈٹ کر روٹی کھائی۔ پیٹ میں روٹی گئی تو بدن میں جان آئی اور وہ چاق و چوبند ہو کر گھر کی طرف چل پڑا۔

گاؤں میں گھسا ہی تھا کہ ساہوکار سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ اُس نے پوچھا۔ ''ارے راجا، تو گائے منڈی لے گیا تھا۔ سنا، کتنے میں بکی؟'' راجا نے کچھ دیر سوچا اور پھر ساری کہانی کہہ سنائی۔ ساہوکار بہت ہنسا اور بولا۔ ''تجھ سا بے وقوف بھی شاید ہی کوئی ہو۔ بچو! اب تیری خیر نہیں۔ گھر ذرا سنبھل کر جانا۔ بیوی وہ گت بنائے گی کہ عمر بھر یاد رکھے گا۔''

راجا مسکرا کر بولا۔ ''تم میری بیوی کو نہیں جانتے۔ وہ بہت نیک اور فرماں بردار عورت ہے۔ میں چاہے کچھ کروں، کبھی مجھے نہیں ٹوکتی۔''

''او ہو! ہو ...... ہو ......'' ساہوکار نے قہقہہ لگایا۔ ''بچو! یہاں جو چاہے کہہ لو، گھر جاؤ گے تو پتا چلے گا۔ میری مانو، سر پر دو چار پگڑیاں اور لپیٹ لو تاکہ کھوپڑی سلامت رہے۔''

راجا نے کہا۔ ''تمہیں میرا اعتبار نہیں؟ اچھا! آؤ، میرے ساتھ چلو۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔''

ساہوکار بولا۔ ''چلتا ہوں، مگر ایک شرط پر۔ اگر تمہاری بیوی نے تمہیں کچھ نہ کہا تو میں تمہیں پورے سو روپے انعام دوں گا اور اگر وہ لڑی جھگڑی اور تمہیں صلواتیں سنائیں تو تمہیں ایک مہینے میرے کھیتوں میں مفت کام کرنا پڑے گا۔ بولو، منظور ہے؟''

''منظور ہے۔'' راجا نے کہا۔ ''مگر سو روپے ساتھ لے لو۔ ایسا نہ ہو تمہیں واپس آنا پڑے۔''

ساہوکار لپک کے گھر گیا اور سو روپے تھیلی میں ڈال کر لے آیا۔

اب دونوں گھر پہنچے۔ دروازہ بند تھا۔ ساہوکار دیوار کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا اور راجا نے دروازہ کھٹ کھٹایا۔ نوراں دوڑی دوڑی آئی۔ ہاتھ میں لالٹین تھی۔ دروازہ کھول کر لالٹین اوپر اٹھائی تو راجا کا مسکراتا ہوا چہرہ جگ مگا اٹھا۔ نوراں بولی۔ ''ارے! اتنی دیر کر دی؟ کھانا رکھے رکھے ٹھنڈا ہو گیا۔''

''کھانے کو چھوڑ!'' راجا نے کہا۔ ''یہ پوچھ کہ گائے کا کیا ہوا؟''

''کیا ہوا؟'' نوراں گھبرا گئی۔

راجا بولا۔ ''میں گائے منڈی لے گیا.....''

''مجھے معلوم ہے۔'' نوراں سر ہلا کر بولی۔

''اری! پوری بات تو سن!'' راجا جلدی سے بولا۔ ''میں گائے منڈی لے گیا مگر کوئی گاہک پاس تک نہ پھٹکا۔ اس لیے

میں نے اُسے گھوڑے سے بدل لیا۔''

''یہ تو تُو نے بہت اچھا کیا۔'' نوراں خوش ہو کر بولی۔ ''گائے تو ہمارے پاس ہے مگر گھوڑا نہیں ہے۔ اب تو اُس پر چڑھ کر منڈی جایا کرنا۔ ارے اوجمن، ارے اوکھمن۔ جاؤ! گھوڑا چھپر تلے باندھ دو۔''

راجا جلدی سے بولا۔ ''اری نیک بخت، پوری بات تو سُن۔ میں گھوڑا لے کر آگے بڑھا تو ایک بکری والا مل گیا۔ میں نے اُسے گھوڑا دے کر بکری لے لی۔''

نوراں خوب ہنسی اور بولی ''آہا! یہ تو تُو نے بہت ہی اچھا کیا۔ تیری جگہ اگر میں ہوتی تو میں بھی ایسا ہی کرتی۔ گھوڑا تو من بھر چارہ روز کھاتا اور پھر تُو ایک غریب کسان۔ گھوڑے پر چڑھتا تو لوگ اُنگلیاں اُٹھاتے۔ یہ تو تُو نے اچھا کیا کہ بکری لے لی۔ بکری کا دودھ ہلکا ہوتا ہے اور جلد ہضم ہو جاتا ہے۔ اب میں اپنے بچوں کو بکری کا ہی دودھ پلاؤں گی۔ ارے اوجمن، ارے اوکھمن، جاؤ بکری کو چھپر تلے باندھ دو۔''

''اررر...... آگے تو سُن!'' راجا بولا۔ ''میں بکری لے کر ذرا آگے بڑھا تو ایک بھیڑ والا مل گیا۔ میں نے وہ بکری اُس کی بھیڑ سے بدل لی۔''

''واہ! واہ......'' نوراں کھل کھل کر بولی۔ ''یہ تو تُو نے اتنا اچھا کیا کہ بس جواب نہیں۔ بھلا بکری کا ہم کیا کرتے۔ بھیڑ ہوگی تو اُس کا اُون کام آئے گا۔ میں اُون کاتا کروں گی، تُو جا کر منڈی میں بیچ آیا کرنا۔ ارے اوجمن، ارے اوکھمن، جاؤ، بھیڑ کو چھپر تلے باندھ دو۔''

''ہت تیرے کی!'' راجا سر پیٹ کر بولا۔ ''پوری بات تو تُو سنتی نہیں۔ میں بھیڑ لے کر آگے بڑھا تو ایک مرغی والا مل گیا۔ میں نے اُسے بھیڑ دے کر ایک موٹا تازہ مُرغا لے لیا۔''

''کیا کہا؟ مُرغا لے لیا؟ ارے واہ!'' نوراں تالیاں بجا کر بولی۔ ''جُگ جُگ جئے میرا راجا! بھلا سوچ تو سہی، بھیڑ بھی کوئی پالنے کی چیز ہے۔ دن بھر میں بیں بیں کر کے گھر سر پر اُٹھائے رکھتی۔ مُرغا اچھا، صبح سویرے اذان دے گا تو ہم سب اُٹھ جایا کریں گے۔ آج کل نہ جانے کیوں آنکھ دیر سے کھلتی ہے۔ ارے اوجمن، ارے اوکھمن، مرغے کو ٹوکری تلے بند کر دو۔ صبح کو میں دڑبا بنا دوں گی۔''

''اری خدا کی بندی!'' راجا بولا۔ ''پوری بات نہ سننے کی تو تُو نے قسم کھائی ہے۔ ذرا آگے تو سُن۔ میں مُرغا لے کر گھر کی طرف چلا تو شام ہوگئی۔ بھوک نے بے حال کر دیا۔ راستے میں قصبہ آیا تو میں نے مرغا بیچ ڈالا اور خوب ڈٹ کر روٹی کھائی۔''

''اے ہے...... تو اتنی دیر بھوکا رہا!'' نوراں سر پیٹ کر بولی۔ ''میں نے کہا تھا کہ روٹی ساتھ لیتا جا، مگر تُو بھلا میری مانتا ہے۔ بھاڑ میں جائے گائے اور گھوڑا اور جہنم میں جائے بھیڑ بکری۔ تو اندر چل، یہاں ٹھنڈ ہے۔ میں نے کریلے پیاز پکائے ہیں۔ کھائے گا تو بس مزہ آ جائے گا۔''

راجا کی باچھیں کھل کر کانوں سے جا لگیں۔ اُس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا اور بولا۔ ''ارے میاں ساہوکار! ارے بھئی، سنتے ہو؟ ذرا اِدھر تو آؤ۔'' ساہوکار دیوار کی اوٹ سے باہر آیا۔ راجا نے پوچھا۔ ''کون جیتا؟ میں کہ تم؟''

ساہوکار نے سر جھکا لیا۔

راجا بولا۔ ''یہ روپوں کی تھیلی ذرا مجھے پکڑا دو۔ معاف کرنا، تمہیں تکلیف تو ہوگی۔''

☆☆☆

(بقیہ: جھوٹا سچ)

پیاری بہن نے سمجھانا چاہا۔ ''لیکن میں جھوٹ تو نہیں کہتی کبھی بھی۔''

''اچھی باجی، جس طرح کے جھوٹے سچ تم بولتی ہوں، اس طرح اگر سب بولنے لگیں تو سب ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں، پھر کوئی بھی سکون اور آرام سے کیسے رہے گا۔ کسی کی غیبت کرنا کتنا بڑا گناہ ہے، مجھے بھی اس بات کا احساس ہوگیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے: ''اور ایک دوسرے کے بھید نہ ٹٹولا کرو، اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا، تم کو اس سے گھن آئے گی۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو...... مجھے کبھی اس بات کا احساس نہیں ہوا۔'' اچھی باجی نادم ہوئی۔

''دیر آید، درست آید'' یہ تو بہت اچھی بات ہے اگر آپ دونوں کو احساس ہوگیا ہے کہ کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی بُرائی کرنا اور مذاق اُڑانا غلط ہے۔'' پیاری بہن نے مسکرا کر دونوں کی جانب دیکھا۔

اچھی باجی بھی آخر کو ''اچھی'' تھی اس لیے فوراً اپنی سہیلی اور معصومہ سے معافی مانگی۔ ☆☆☆

دوسری صبح جب زمیندار اصطبل میں آیا تو یہ دیکھ کر اس نے اپنا سر پیٹ لیا کہ سب سوار ستونوں کے ساتھ بے ہوش بندھے ہوئے تھے اور گھوڑے غائب تھے۔

"بے وقوف لوگو! وہ ٹھگ تمہارے نیچے سے گھوڑے نکال کر لے گیا اور تم یہاں پڑے خراٹے بھر رہے ہو۔" زمیندار نے غصے میں آ کر ان کو بطور سزا کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

دوپہر کے وقت نوجوان زمیندار کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔

"دیکھ لیجیے میں نے کس صفائی سے آپ کی شرط پوری کی ہے، اب آپ اپنا وعدہ پورا کریں۔"

"نوجوان! تم نے بہت عمدہ کام کیا ہے مگر کچھ اس سے بھی بہتر کام دکھاؤ۔" زمیندار نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا یہ کام کچھ کم بہتر تھا۔" نوجوان بولا۔ "کیا کوئی گھوڑوں پر بیٹھے سواروں کے نیچے سے گھوڑے چرا سکتا ہے؟"

"وہ تو سب ٹھیک ہے مگر کیا تم وہ گھوڑا چرا سکتے ہو جس کے اوپر کوئی اور نہیں میں خود سوار ہوں؟" زمیندار نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میرے لیے یہ بھی کوئی مشکل کام نہیں جب چاہیں آزما لیں۔" نوجوان چیلنج قبول کرتے ہوئے بولا۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔ پرسوں صبح میں اپنے پسندیدہ گھوڑے پر سواری کے لیے نکلوں گا تو تم اپنے فن کا مظاہرہ کر سکتے ہو۔" زمیندار بولا۔

نوجوان نے اس کی یہ شرط بھی مان لی اور ایک کمزور اور مریل سا گھوڑا تلاش کیا جس کے لیے دوڑنا تو دُور کی بات، چلنا بھی دشوار تھا۔ نوجوان نے اس کو خوب سنوارا سجایا اور ایک گاڑی لے کر اس مریل گھوڑے کو اس کے آگے جوت دیا۔ اس کے بعد اس نے لکڑی کا ایک ڈرم لیا اور ایک غریب بڑھیا کو کچھ رقم کا لالچ دے کر اس کے اندر بٹھا دیا۔ اس کے بعد اس نے اس ڈرم کو اُٹھا کر گھوڑا گاڑی پر رکھ دیا۔ نوجوان نے چالاکی یہ کی کہ اس ڈرم میں ایک انگلی کے برابر سوراخ کر دیا اور بڑھیا سے بولا۔

"جب میں دوسری دفعہ اس سوراخ میں انگلی ڈالوں تو تم اسے مضبوطی سے پکڑ لینا اور جب تک سو اشرفیاں نہ دوں اس کو چھوڑنا نہیں۔ یہ تمہارا انعام ہوگا۔" بڑھیا اس کی بات سن کر خوش ہو گئی۔

اس کے بعد نوجوان نے اپنا بھیس بھی ایک غریب بوڑھے کا بدلا اور پھٹے پُرانے کپڑے پہن کر لمبی سی نقلی داڑھی لگائی اور گھوڑا گاڑی لے کر اس راستے پر پہنچ گیا جہاں سے زمیندار نے گھوڑے پر سوار گزرنا تھا۔ مریل گھوڑا بمشکل چل رہا تھا۔ وہ تھوڑا سا چلتا اور پھر اپنی جگہ اڑ جاتا۔ بوڑھا فقیر اسے کھینچ کھانچ کر تھوڑا آگے

بڑھاتا اور وہ پھر اپنی جگہ جم جاتا۔ ابھی وہ اپنی اسی کشمکش میں مبتلا تھا کہ زمیندار گھوڑے پر سوار وہاں پہنچ گیا مگر بوڑھے کی گھوڑا گاڑی نے پورا راستہ اس طرح روک رکھا تھا کہ زمیندار کے لیے وہاں سے آگے نکلنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ نوجوان کسی طرح اس کا گھوڑا چھین کر نہ لے جانے پائے۔ وہ بوڑھے سے پوچھنے لگا۔

"بابا! تم نے یہاں کسی اجنبی کو تو نہیں دیکھا۔"

"اجنبی کا تو مجھے معلوم نہیں، ہاں! ایک مشکوک سا نوجوان یہیں کہیں نظر آیا، پھر شاید کہیں چلا گیا۔ میں تو اپنے اس مصیبت مارے گھوڑے کے ساتھ سر پھوڑ رہا ہوں۔" بوڑھے نے بیزار سے لہجے میں جواب دیا۔

"کیا تم انعام کے طور پر کچھ رقم حاصل کرنا چاہتے ہو؟" زمیندار نے بوڑھے سے پوچھا۔

انعام کا سنتے ہی بوڑھے کی باچھیں کھل گئیں اور وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیسا انعام......؟"

"سنو! اگر تم جا کر آس پاس دیکھو کہ یہاں کوئی گھات میں تو نہیں بیٹھا تو میں تمہیں ایک اچھی رقم انعام کے طور پر دوں گا۔"

"افسوس...... میں یہ کام نہیں کر سکتا ہوں۔" بوڑھا فقیر مایوس ہو کر بولا۔

"کیوں نہیں کر سکتے؟" زمیندار نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"اس لیے کہ میں یہ ڈرم تیل سے بھر کر دوسرے گاؤں لے جا رہا ہوں مگر بدقسمتی سے اس میں سوراخ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے سارا تیل بہہ جائے گا۔ تیل کو گرنے سے بچانے کے لیے میں نے اس سوراخ میں اپنی انگلی دے رکھی ہے تا کہ یہ بند رہے اور تیل نہ گرے۔" بوڑھے نے اسے ساری تفصیل بتا دی جسے سن کر زمیندار جلدی سے بولا۔

"میں تمہارے اس ڈرم کی حفاظت کرتا ہوں، تم جنگل میں جا کر دیکھ کر آؤ۔"

"ٹھیک ہے میں جاتا ہوں مگر جونہی میں اس ڈرم سے اپنی انگلی باہر نکالوں گا، تیل گرنا شروع ہو جائے گا، اس لیے تمہیں اس ڈرم کے سوراخ میں اپنی انگلی ڈال کر کھڑا ہونا پڑے گا تا کہ تیل نہ گرے اور ہاں! تم مجھے اپنا گھوڑا بھی دو تا کہ میں جلدی واپس آ سکوں۔" بوڑھے نے مطالبہ کر دیا۔

زمیندار مان گیا اور پھر جونہی فقیر نے اپنی انگلی ڈرم کے سوراخ سے باہر نکالی زمیندار نے فوراً اس سوراخ کو اپنی انگلی ڈال کر بند کر دیا۔ اندر بیٹھی بڑھیا نے فوراً اس کی انگلی پکڑ لی اور چلا کر بولی۔

"اب تمہیں مزید سو اشرفیاں دینا ہوں گی ورنہ میں تمہاری انگلی نہیں چھوڑوں گی۔"

بڑھیا کی آواز سنتے ہی زمیندار کو اندازہ ہو گیا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اس نے اپنی انگلی باہر کھینچنا چاہی مگر بڑھیا کہاں چھوڑنے والی تھی۔ وہ تو اپنی طرف سے انگلی نہیں بلکہ سو اشرفیاں پکڑے بیٹھی تھی۔ زمیندار نے پورا زور لگایا مگر بڑھیا بھی بڑی پکی تھی۔

ادھر بوڑھا فقیر زمیندار کے گھوڑے پر بیٹھا اور اسے ایک ایڑ لگا کر یہ جا اور وہ جا۔ زمیندار ڈرم کے سوراخ سے اپنی انگلی ہی نکالتا رہ گیا، اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ نوجوان ایک دفعہ پھر اسے جُل دے گیا ہے۔ زمیندار نے بڑی مشکل سے ڈرم کے اندر بیٹھی بڑھیا کو سو اشرفیاں دے کر اپنی جان چھڑائی۔

دوسرے دن نوجوان سینہ تان کر زمیندار کی حویلی پہنچا اور بولا۔

"اب کیا کہتے ہیں زمیندار صاحب...... اب تو آپ میرے فن کو مان گئے ہوں گے۔"

مگر زمیندار اتنی آسانی سے کہاں ماننے والا تھا، اب تو براہِ راست اس کی انا پر چوٹ پڑی تھی۔ نوجوان اس کا پسندیدہ گھوڑا اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے اپنے ہاتھ سے لے بھاگا تھا۔ اب زمیندار اس کو ہر قیمت پر نیچا دکھانا چاہتا تھا، اس لیے اس نے کہا۔

"کل تو تم نے مجھے اس لیے دھوکہ دے دیا کہ میں پوری طرح ہوشیار نہیں تھا، اب دھوکہ نہیں کھاؤں گا۔"

"اب مجھے کیا کرنا ہو گا؟" نوجوان اس کی بات سمجھتے ہوئے تیز لہجے میں بولا۔

"صرف اتنا کہ رات کو میں جس بستر پر سوتا ہوں تم اس کی چادر کو اس وقت چوری کرو جب میں اور میری بیوی اس پر سو رہے ہوں۔ کیا تم یہ کام کر سکتے ہو؟" زمیندار نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی کوئی مشکل کام نہیں ہے۔" نوجوان بولا۔ "مگر اب

آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا۔ ورنہ میں آپ کو بھی چوری کرلوں گا اور پتا بھی نہیں چلے گا۔''

یہ کہہ کر نوجوان وہاں سے چلا آیا اور تیاری کرنے لگا۔ اس نے پُرانے کپڑوں کی مدد سے انسانی شکل کا ایک پُتلا بنایا۔ جب رات آئی تو نوجوان اپنے گھر سے نکلا اس پُتلے کو اپنے کندھے پر ڈالا اور بانس کی ایک لمبی سیڑھی لے کر زمیندار کی حویلی کے عقب میں جا پہنچا۔ زمیندار کی خواب گاہ دوسری منزل پر تھی جس کی ایک کھڑکی عقبی سمت کھلتی تھی۔ نوجوان نے سیڑھی دیوار کے ساتھ لگائی اور اس پر چڑھ کر کھڑکی تک پہنچا۔ وہ نقلی پتلے کو یوں کھڑکی کے باہر لہرانے لگا جیسے کوئی انسان چھپ کر کھڑکی سے اندر کمرے میں جھانکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ کھڑکی کے باہر ہلچل دیکھ کر زمیندار چونکنا ہو گیا اور اپنی بیوی کو کہنے لگا۔

''دیکھو! وہ ٹھگ آ گیا ہے اب میں اس کو گولی مارنے والا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے بستر کے قریب رکھی اپنی بندوق اُٹھائی اور نشانہ باندھنے لگا۔

''ارے، ارے..... کچھ تو خیال کرو۔ گولی مت مارو، یہ مر جائے گا۔'' اس کی بیوی گڑگڑائی۔

''مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ میں اس کو گولی ضرور ماروں گا۔ اس نے مجھے بہت پریشان کر رکھا ہے۔'' زمیندار غصے سے بولا اور ایک بار پھر بندوق سے نشانہ لیا مگر پتلے کا سر ایک جگہ ٹک ہی نہیں رہا تھا۔ آخر اس کو موقع مل ہی گیا اور اس نے گولی داغ دی۔ ایک دھماکہ ہوا اور پتلا زوردار آواز کے ساتھ زمین پر جا گرا۔ زمیندار اسے زندہ انسان سمجھ رہا تھا۔

''ارے..... تم نے تو اسے مار دیا۔'' زمیندار کی بیوی خوف زدہ ہو کر چلائی تو زمیندار بھی پریشان ہو گیا۔

''لوگ کیا کہیں گے۔ صبح سپاہی مجھے اس کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیں گے۔ اب جلدی جا کر اس ٹھگ کی لاش کو ٹھکانے لگانا ہوگا۔'' زمیندار تیزی سے بولا۔

''جلدی جاؤ اور جو مناسب ہے، وہ کرو۔'' اس کی بیوی بھی پریشان تھی۔ زمیندار اُٹھا اور بھاگ کر سیڑھیاں اُترا۔ جونہی وہ باہر نکلا، نوجوان فوراً گھر کے اندر داخل ہو گیا اور بھاگ کر زمیندار کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچا۔ اس نے دروازے کو ہلکا سا کھٹکھٹایا تو اندر سے زمیندار کی بیوی سرگوشی کے انداز میں بولی۔

''ارے تم اتنی جلدی واپس آ گئے کیا بنا اس ٹھگ کی لاش کا۔''

''مجھے اس نوجوان کی لاش کو جنگل میں پھینک کر آنا پڑے گا، مگر ڈر ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ اس لیے تم بستر کی یہ چادر مجھے دے

دو تا کہ میں اس کو اوڑھ کر اپنے آپ کو اس طرح چھپا لوں کہ اگر کوئی دیکھے بھی تو وہ مجھے پہچان نہ لے اور تکیہ کندھے پر رکھ کر میں اس کی لاش کو اُٹھاؤں گا۔ وہ بہت بھاری ہے۔'' نوجوان زمیندار کی آواز بنا کر بولا۔

زمیندار کی بیوی اس کی آواز پہچان نہ پائی اور اس نے جلدی سے بستر کی چادر اور تکیہ اُٹھا کر دروازے کے اندر سے اس کو پکڑا دی۔ نوجوان وہ چادر اور تکیہ لے کر جلدی سے گھر سے باہر آ گیا۔

اس دوران زمیندار نے باہر آ کر دیکھا تو وہاں کوئی انسانی لاش نہیں بلکہ نقلی پُتلا پڑا ہوا تھا۔ وہ فوراً نوجوان کی چال کو سمجھ گیا اور محتاط ہو کر اس نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ ہر کونے میں نوجوان کو تلاش کیا۔ جب کچھ نہ ملا تو ایک خدشے کے تحت فوراً اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔ اپنے کمرے میں پہنچا تو اس کی بیوی اس کو دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

''آپ بڑی جلدی واپس آ گئے اس لاش کو جنگل میں پھینک کر، اور بستر کی چادر اور تکیہ کہاں چھوڑ آئے ہو جو آپ ابھی مجھ سے لے کر گئے تھے؟''

اس کی بات سنتے ہی زمیندار گھبرا گیا اور کہنے لگا۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کون سی چادر، کون سا تکیہ....؟''

''میں تو صرف بستر کی چادر کا پوچھ رہی ہوں جو آپ اوڑھنے کے لیے مجھ سے لے گئے تھے۔'' بیوی نے حیران ہو کر وضاحت کی۔

زمیندار اپنا سر پیٹتے ہوئے بولا۔ ''وہ نوجوان ہمیں ایک بار پھر دھوکہ دے گیا ہے۔''

دوسرے دن نوجوان زمیندار کے گھر آیا اور اس سے شادی کا وعدہ پورا کرنے کا مطالبہ کیا۔ اب زمیندار کو مزید ہمت نہ ہوئی کہ وہ نوجوان کو پھر آزماتا۔ اس چکر میں وہ پہلے ہی کافی رقم، چیزیں اور گھوڑوں سے محروم ہونے کے علاوہ شرمندگی بھی اُٹھا چکا تھا۔

''میں مانتا ہوں نوجوان تم بہت بڑے فن کار ہو۔ تم میری آنکھ سے سرمہ بھی چرا کر لے جاؤ تو مجھے کچھ علم نہ ہو، اس لیے میں ہار مانتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے شادی پر رضامندی ظاہر کر دی۔

نوجوان نے بھی شادی کے بعد ہتھیائی ہوئی اس کی تمام چیزیں اسے واپس کر دیں اور اپنے اس کام سے توبہ کر کے تجارت کا پیشہ اختیار کر لیا اور پُرسکون زندگی گزارنے لگا۔ ☆☆☆

کھوج لگانے میں حصہ لینے والے بچوں کے نام

نفیسہ فاطمہ قادری، کامونکی۔ محمد سعد، لاہور۔ محمد احمد، لیہ۔ وجیہہ خلیل۔ علینا اختر، کراچی۔ ارحم، فیصل آباد۔ میر اکرم، لاہور۔ حافظ محمد حذیفہ، سیال کوٹ۔ محمد عبداللہ، صوابی۔ عائشہ طارق، شیخوپورہ۔ نادیہ بشیر، سیال کوٹ۔ طلحہ اعجاز، بازو، تملت۔ سجاد کریم، ظاہر پیر۔ محمد حذیفہ اویس، فیصل آباد۔ عمر فاروق، اوکاڑہ۔ غزالہ حبیب، سائرہ حبیب، ٹانڈلیانوالہ۔ کائنات نواز، چکوال۔ ثمران سردار، ساہی وال۔ محمد احمد رضا انصاری، کوٹ ادو۔ فارحہ احتشام، لاہور۔ صدف آسیہ، کراچی۔ عائشہ صدیقہ بنت محمد وحید، راول پنڈی۔ عبدالجبار رومی انصاری، لاہور۔ عائشہ ظفر، رحیم یار خان۔ محمد صہیب امین کھماوا، جھنگ۔ عدین رحمٰن، اسلام آباد۔ فائزہ رزاق، ملک عبدالرزاق، خانیوال۔ محمد طیب، راول پنڈی۔ محمد حمزہ لغاری، میانوالی۔ ناظم علی ڈنو، حویلی لکھا۔ ذہاب حسین، گوجرانوالہ۔ ابرارالحق، رانجہ جنگ۔ کشف ارشد، گوجرانوالہ۔ حذیفہ اظہر، فیصل آباد۔ نامیہ تحریم، کراچی۔ کشف جاوید، فیصل آباد۔ بشریٰ صفدر، تلہ گنگ۔ انوشہ فاطمہ، لاہور۔ بی بی باجرہ، بری پور۔ سید محمد طلال حسین، لاہور۔ مریم خالد، گوجرانوالہ۔ اسد ارشد خان، لاہور۔ آصفہ یوسف، لاہور۔ صدام حسین قادری، کامونکی۔ الوینہ گل جی، کوہاٹ۔ محمد مدثر، ڈیرہ غازی خان۔ نجم الصباح ازل، میانوالی۔ عریشہ اسد، رحیم یار خان۔ محمد منیب ستار، سیال کوٹ۔ عبدالواسع، چاچڑاں شریف۔ اقراء سعید خان، راول پنڈی۔ ردا بٹ، لاہور۔ مبشر اعظم، اوکاڑہ۔ بادیہ عمران، لاہور۔ رفیق احمد ناز، ڈیرہ غازی خان۔ ایاز احمد، لاہور۔ سفر علی، خوشاب۔ احمد تنویر، سمندری۔ خالد محمود، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ مائرہ طارق، راول پنڈی۔ شیر باز غنی، صادق آباد۔ محمد سعد یحییٰ، پشاور۔ فریا طیب، لاہور۔ محمد صدیق قیوم، قصور۔ محمد نعمان رضا قادری، کامونکی۔ شاہ زیب اثر، پشاور۔ محمد شاس حسین، بہاول پور۔ ردا فاطمہ فریال، راول پنڈی۔ مائرہ حنیف، بہاول پور۔ سید ثاقب حسین، احمد پور شرقیہ۔ بادیہ عاطف، لاہور۔ آمنہ رحمٰن، لاہور۔ عروج فاطمہ، کھاریاں۔ شرجیل احمد، سیالکوٹ۔ عدن سجاد، جھنگ۔ شازیہ ہاشم میواتی، قصور۔ مائرہ شاہد، رائے ونڈ۔ حفصہ رزاق، خانیوال۔ دردو زہرا سیال، جھنگ صدر۔ زمر محبوب، گوجرانوالہ۔ حارث حسن، راول پنڈی۔ احمد بلال، چنیوٹ۔ فاطمہ زہرا، راول پنڈی۔ محمد شکیل بھٹی، جھنگ۔ محمد آصف، موچھ۔ دانش علی، اوکاڑہ۔ عائشہ خنسا، کہوٹہ۔ سعد اللہ، حویلی لکھا۔ محمد عبداللہ شہزاد ایوب، جہلم۔ مریم عبداللہ، کراچی۔

جب مجھے سرسید کالج میں درس و تدریس کی ذمہ داریاں سونپی گئیں تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی کیوں کہ میں ایک نامور تدریسی مرکز کا حصہ بننے جا رہا تھا جسے پورے شہر کے تعلیمی اداروں میں ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ اس کالج کے طلبا کو ملک کے تمام علاقوں میں ہونہار اور قابل طلبا کے طور پر تسلیم اور ان کی علمی کاوشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کی خاص بات یہ تھی کہ یہ میری مادرِ علمی بھی تھی، یہی وجہ ہے کہ آج میں نے اپنے کالج کی سرزمین پر قدم رکھا تو میرا سر فخر سے بلند تھا۔

ویسے بھی زمانۂ طالب علمی کی بہت سی یادیں اس کالج سے وابستہ تھیں۔ کالج کے در و دیوار دیکھ کر گزرے ہوئے دن یاد آنے لگے۔ مجھے کالج کے زمانے کے دوست بھی یاد آئے جن کے ساتھ علم کے میدان میں سبقت لے جانے کی دوڑ دھوپ آج میری کامیابیوں کا ایک اہم سبب تھی۔ مجھے اس کالج سے ہمیشہ ہی اُنسیت تھی۔ آج میں یہاں آیا تو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ کالج کے ماحول میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ اکثر اساتذہ نئے تھے۔ کالج کے اسٹاف اور اساتذہ کی جانب سے مجھے غیر معمولی پذیرائی مل رہی تھی۔ جب انہیں میری علمی صلاحیتوں کا علم ہوا تو وہ مجھے قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ اس وقت مجھے اپنے شفیق اور لائق اساتذہ بھی یاد آئے جو میرے علمی شوق میں اضافے کا سبب بنے اور کالج کے وقار میں اضافے کے لیے پوری تن دہی سے کوشاں رہتے تھے۔ اسی بنا پر یہ دن میری زندگی کے دیگر دنوں کے مقابلے میں خاص اہمیت حاصل کر گیا تھا۔

ایک روز جب میں کالج کے احاطے میں داخل ہوا تو میری نظر سامنے پاپڑ فروخت کرنے والے تاجو پر پڑی جو بڑے انہماک سے گاہکوں کو پاپڑ دینے میں مصروف تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے نا جانے کیوں خفت محسوس ہونے لگی اور میں کسی طرح اس سے کتراتا ہوا کالج کی عمارت میں داخل ہوگیا۔ مجھے سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

میں خوش خوش کالج آتا۔ یہ ضرور تھا کہ کالج سے گزرتے ہوئے ہر بار جب میں تاجو پاپڑ والے کو دیکھتا تو مجھے محسوس ہوتا کہ اس کی نظریں میرا تعاقب کر رہی ہیں۔ میں نے سوچا کہ شاید وہ مجھ میں کسی قسم کی شناسائی تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوگا لیکن میں اس سے حسبِ عادت کترا کر گزر جاتا تھا۔ کالج میں آنے سے لے کر آج تک نہ ہی میں تاجو کے اسٹال کے قریب گیا اور نہ ہی اس سے کسی قسم کی سلام دعا کی یا پھر خیر و عافیت معلوم کی۔ میرا

خیال تھا کہ وہ بھی اسی انداز میں مجھے نظر انداز کر دے گا۔ دن یوں ہی گزر رہے تھے اور میں اپنی تمام تر توجہ کالج کے علمی ماحول کے فروغ اور اپنی تعلیمی ذمے داریاں احسن طریقے سے انجام دینے پر مرکوز رکھنا چاہتا تھا۔

ایک روز دوپہر کے وقت حسب معمول میں دفتر میں بیٹھا کام میں مشغول تھا کہ میری نظر دفتر کے باہر راہداری پر پڑی جہاں تاجو پاپڑ والا بڑی بے چینی سے چکر لگا رہا تھا، وہ شاید میرے دفتر سے باہر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ ہو سکتا ہے اسے کوئی کام ہو اور مجھ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہو۔ کوئی تو ایسی بات ہے جس کی وجہ سے آج اس نے میرے آفس کا رُخ کرلیا ہے۔ اس کا منشا معلوم کرنا اب ضروری ہوگیا تھا۔ اسی سوچ کی بنا پر میں دل ہی دل میں خیر کی دعا مانگتا ہوا اپنے دفتر سے باہر نکلا۔ جیسے ہی میں آیا، تاجو نے آگے بڑھ کر مجھے روک لیا۔

"صاحب! کیا بات ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں، آپ کئی روز سے مجھے نظر انداز کر رہے ہیں۔" تاجو نے آگے بڑھ کر ایک سوال کر ڈالا اور میں تاجو کی بات سن کر سٹ پٹا گیا۔

"میں تمہاری بات سمجھا نہیں۔" میں نے انجان بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا حالاں کہ وہ درست کہہ رہا تھا۔

مجھے یقین ہوگیا تھا کہ معاملہ گڑبڑ ہے اور کچھ خلاف توقع ہونے والا ہے۔ تاجو کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اب کچھ کہنے والا ہے جو میں کسی بھی طرح سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"میں اگر غلطی نہیں کر رہا ہوں تو آپ یقینی طور پر باقر ہیں۔"

میں نے اس کی یادداشت پر اپنی نظریں جھکا لیں اور غور سے اس کی بات سننے لگا۔

"مجھے یاد ہے کہ آج سے پندرہ سال قبل جب آپ یہاں طالب علم تھے تو آپ نے میرے اسٹال سے تقریباً تین سو روپے کے پاپڑ ادھار کھائے تھے اور یہ رقم ادا نہیں کی تھی۔"

تاجو بول رہا تھا تو مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مجھ پر تابڑ توڑ حملے کر رہا ہے۔ یہ مرحلہ بے حد نازک تھا۔ میرا شرم سے بُرا حال تھا۔ گویا کاٹو تو خون بھی نہ نکلے کی مصداق حال تھا۔ یہ درست ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں ہمارا ٹولہ بے حد شرارتی تھا۔ یہ حرکت ہم سے ضرور سرزد ہوئی تھی۔ بہرحال، اس وقت میں نے اپنی عزت و وقار کی حفاظت کو مقدم جانا اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو مجتمع کرکے تاجو کے جملوں کا جواب دیتے ہوئے اسے ایسا رعب میں لیا کہ دیگر اساتذہ بھی باہر نکل آئے۔

یہ دیکھ کر تاجو نے راہِ فرار اختیار کرنے ہی میں عافیت جانی، تاہم مجھے ایک جانب تاجو کے رویے پر غصہ آرہا تھا تو ساتھ ہی اپنے ایسے سلوک پر بھی ندامت ہونے لگی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ مجھے اس غریب کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرنا اور اس کی بے عزتی نہیں کرنا چاہیے تھی۔ گو کہ میں اس غریب کا نقصان نہیں چاہتا تھا اور اس سے دلی ہمدردی رکھتا تھا لیکن بات چوں کہ پندرہ سال پُرانی تھی اس لیے چند روپوں کی خاطر میں اپنی عزت داؤ پر لگا نہیں سکتا تھا۔

کالج کا اسٹاف میرے حوالے سے کسی ایسے معاملے کی توقع نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے ابھی کالج میں آئے کچھ ہی روز گزرے تھے۔ اپنی اہمیت منوانے اور اپنا مقام بنانے کے لیے بہت کچھ کرنا تھا،

اس لیے میں نے اس سارے معاملے کو کالج والوں سے پوشیدہ رکھنے ہی میں عافیت جانی۔ کالج کے ماحول میں یہ کوئی خلاف توقع بات نہیں تھی، اس لیے کسی نے بھی اس معاملے کو اہمیت نہیں دی اور یوں یہ واقعہ رفع دفع ہوگیا۔ مجھے تاجو کے ساتھ روا رکھے گئے اپنے سلوک کا ملال تھا۔ اس روز کے بعد میں نے کئی بار کوشش بھی کی کہ میں تاجو کے اسٹال پر جاکر اس سے اس روز کے واقعے کی معذرت چاہوں اور اس کی رقم اسے لوٹا کر اس کا غصہ ٹھنڈا کردوں لیکن ہر بار کسی نہ کسی وجہ سے میں تاجو کے اسٹال پر نہیں جا سکا۔

اس واقعے کو چند دن گزرے ہوں گے کہ ایک روز میں نے دیکھا کہ تاجو پاپڑ والے کا ٹھیلے والا اسٹال، کالج کے احاطے سے غائب ہے۔ دوسرے روز بھی ایسا ہی ہوا۔ تیسرے روز اچانک اسی مقام پر تاجو کا پاپڑوں والا اسٹال نظر آ گیا، لیکن یہ کیا ٹھیلے پر تاجو کی جگہ ایک لڑکا پاپڑ فروخت کرنے میں مصروف تھا۔ مجھے اسے دیکھ کر تشویش بھی ہوئی اور ترس بھی آیا۔

میں ہمت کرکے آگے بڑھا اور اس لڑکے سے ایک پاپڑ خریدنے کے بعد اس سے تاجو کی بابت دریافت کیا تو اس لڑکے نے بتایا کہ تاج الدین اس کے والد ہیں، تین روز قبل جب وہ پاپڑ کا اسٹال بند کرکے کالج سے گھر جا رہے تھے تو راستے میں ایک بے رحم کار والے نے انہیں ٹکر ماردی جس کے سبب ان کی ٹانگ میں فریکچر ہوگیا ہے اور وہ ایک سرکاری اسپتال میں داخل ہیں۔ یہ بتاتے ہوئے اس لڑکے کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔

میں نے اس الم ناک واقعے پر دلی ہمدردی کا اظہار کیا اور اسے تسلی دینے کے بعد اس سے سرکاری اسپتال کے وارڈ اور بیڈ کا نمبر معلوم کیا اور بوجھل قدموں سے چلتا ہوا کالج کی عمارت میں داخل ہوگیا۔

اس روز کالج میں دوران پیریڈ بھی میرا دل اداس تھا اور میں اپنے دفتر میں بیٹھا مسکین تاجو کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے اس غریب سے اس قسم کا سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مجھے اپنی حماقت اور تاجو کی مجبوریوں اور غربت پر افسوس ہونے لگا۔ میں نے اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے اپنے فرائض منصبی خوش اسلوبی سے انجام دیے۔ جب میں کالج سے گھر جانے لگا تو مجھے تاجو پاپڑ والا یاد آ گیا۔ میں نے تاجو سے اظہار ہمدردی کے لیے گھر جانے کی بجائے اسپتال کا رخ کرلیا۔

جب میں اسپتال پہنچا اور تاجو نے مجھے اپنے سامنے موجود دیکھا تو ایک دم پریشان سا ہوگیا۔

''اب کیوں میرے زخموں پر نمک چھڑکنے چلے آئے ہو۔''

تاجو نے مجھے دیکھ کر دکھ بھرے انداز میں شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

مجھے اس کی یہ حالت دیکھ کر اس پر ترس آنے لگا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا اور اس سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے گہرے رنج کا اظہار کیا۔ اس نے میرے سلوک پر اطمینان ظاہر کیا اور میرا شکریہ ادا کرنے لگا۔ میں نے بھی اس سے روا رکھے گئے اپنے سلوک پر معذرت کی اور اسے اپنی جانب سے مدد کی پیشکش کی۔

''اب تم اس سرکاری اسپتال میں نہیں رہو گے۔ یہاں تمہاری اچھی نگہداشت نہیں ہو رہی ہے۔ قریب ہی میرے ایک دوست کا اسپتال ہے جو ہڈیوں کا بہترین ڈاکٹر ہے، اب تمہارا علاج اسی کے اسپتال میں ہوگا اور تم جلد صحت یاب ہو جاؤ گے۔''

میری ہمدردانہ روش دیکھ کر وہ دم بخود رہ گیا اور پھر اپنے گرد و پیش موجود عزیزوں سے اس بابت صلاح مشورہ کرنے لگا جنھوں نے میرے مشورے کی تائید کی اور تاجو کو بہتر علاج کی غرض سے دوسرے اسپتال منتقل ہوجانے کا مشورہ دیا جس کے بعد وہ پرائیویٹ اسپتال منتقل ہونے پر راضی ہوگیا اور میری جانب تشکرانہ انداز میں دیکھنے لگا۔ وہاں موجود تاجو کے عزیز بھی میرے اس ہمدردانہ سلوک سے کافی متاثر ہوئے اور مجھے تعریفی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے میری جانب سے سگنل ملتے ہی تاجو کے استعمال کی اشیا جمع کرنا شروع کردیں۔ میں ایمبولینس کا انتظام کرنے اسپتال سے باہر آ گیا۔ مجھے ایسے لگا جیسے میرے سر سے کوئی بہت بڑا بوجھ اُتر گیا ہو۔ مجھے تاجو کو خوش اور مطمئن دیکھ کر خوشی ہو رہی تھی۔ میں دل ہی دل میں تاجو کے جلد صحت یاب ہو جانے کی دعائیں کرنے لگا۔ مجھے یہ سب کچھ کرکے اور غریب تاجو کے کام آکر خاصا اطمینان اور خوشی محسوس ہونے لگی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ تاجو کی ایک ہاں نے زمانہ طالب علمی میں اس کے اسٹال سے کھائے گئے تین سو روپے کے پاپڑوں کے احسان کا بدلہ چکانے کا بہترین ذریعہ فراہم کردیا تھا۔ (بقیہ صفحہ نمبر 13)

راز

تہنیت آفرین۔ منڈی بہاؤ الدین

جیسے ہی چپڑاسی نے گھنٹی بجائی ہاشم اور عمر نے بستے بغلوں میں دبائے اور باہر کی جانب دوڑ لگا دی۔ راستے میں انہیں کسی کے کراہنے کی آواز آئی۔ ''ہاشم! شاید کوئی تکلیف میں ہوگا ہمیں اس شخص کی مدد کرنی چاہیے۔'' عمر نے کہا۔

''تم جانتے ہو کل کیمسٹری کا ٹیسٹ بھی ہے اور سر رؤف کتنے سخت ہیں، چلو گھر چلیں۔'' ہاشم نے تلخی سے کہا۔ لیکن عمر اس آواز کی سمت میں چل دیا جہاں ایک بوڑھا کراہ رہا تھا۔

''تم کرو مدد...... انہی کاموں کی وجہ سے تم پوری کلاس کے نالائق لڑکے ہو جاؤ، کل ڈنڈے کھانا۔'' ہاشم نے قہقہہ لگایا۔ عمر نے اس بوڑھے کو اٹھایا اور ان کی مرہم پٹی کی۔ پانی پلایا اور ان کے بتائے ہوئے پتے پر چھوڑ آیا۔ بوڑھے شخص نے اسے بے تحاشا دعائیں دی۔ عمر تیز تیز قدم اٹھاتا گھر کی جانب چل دیا۔

رات کے دس بج چکے تھے۔ ہاشم اور عمر ٹیسٹ کی تیاری کر رہے تھے۔ اچانک دادی اماں کی آواز آئی۔ ''بیٹا تم میں سے کوئی آ کر میری ٹانگیں دبائے۔'' ہاشم چونکہ ٹیسٹ کی تیاری کر چکا تھا، اس لیے عمر نے اسے کہا۔ ''ہاشم! تم جا کر دادی اماں کو دبا آؤ۔''

''تم جانتے ہو مجھ سے دادی کی نصیحتیں برداشت نہیں ہوتی اور تمہیں بہت شوق ہیں ناں دعائیں لینے کا، تو جاؤ جا کر دادی کی خدمت کرو۔'' ہاشم یہ کہہ کر سونے چلا گیا۔ دادی جان کو دبانے کے بعد جب وہ کمرے میں آیا تو پڑھنے کی کوشش کی لیکن وہ تھک چکا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہوگئیں اور وہ سو گیا۔ ہاشم کے 25 میں سے 24 نمبر آئے جب کہ عمر کے 14 نمبر آئے۔ ہاشم اس کا مذاق اڑانے لگا۔

وہ دادی اماں کی ٹانگیں بھی دباتا تھا۔ گھر کے کاموں میں امی کی مدد بھی کرتا تھا۔ سکول کا کام بھی دل لگا کر کرتا۔ جب کہ ہاشم تمام دن سوائے پڑھنے کے کوئی کام نہیں کرتا تھا لیکن اس کی زندگی دعا کے ابر سے خالی تھی، بالکل بنجر زمین کی طرح۔

مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ دونوں بھائی کمرے میں بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ ہاشم چلو نماز پڑھ لیں۔ کل پیپر ہے اور پیپر کی کامیابی کے لیے دعا بھی کریں گے۔ عمر نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں! تو تم جاؤ ناں نماز پڑھنے، ارے میرے بھولے بھائی دعا سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہوتا ہے اپنی محنت سے ہوتا ہے۔ دعا تو بس بے کار لوگوں کے چونچلے ہیں۔'' ہاشم نے تلخی سے جواب دیا۔

ویسے تو تمہاری مرضی۔ لیکن ایک بات یاد رکھو دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی یہ بات پسند ہے کہ لوگ اللہ سے مانگیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تم میرا شکر ادا کرو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔''

ہاشم میری ایک اور بات مانو اور یاد رکھو جس طرح محنت کے بغیر دعا رائیگاں ہے، اس طرح دعا کے بغیر محنت بھی رائیگاں ہے۔ عمر یہ کہہ کر مسجد کی جانب چل دیا۔

آج رزلٹ تھا۔ ماسٹر صاحب نے پوری کلاس کے سامنے جب اعلان کیا تو پوری کلاس دم بخود رہ گئی۔ عمر عثمان نے پوری کلاس بلکہ سکول میں ٹاپ کیا تھا جب کہ ہاشم بہ مشکل پاس ہوا تھا۔

ہاشم کو یقین نہیں آ رہا تھا جب کہ عمر جانتا تھا کہ یہ سب اس کی محنت اور بزرگوں کی دعاؤں سے ہی ممکن تھا۔

پیارے بچو! اس راز کی بات میں آپ کو بتاتی ہوں کہ آپ محنت بھی کریں اور دعا بھی کریں کیوں کہ دعا کرنا اللہ کو پسند ہے۔

حقیقی خوشی

پہلا انعام: 195 روپے کی کتب

سیدہ معصومہ زینب نقوی، اسلام آباد

آج ٹیچر نے ہوم ورک میں تمام طالبات کو حقیقی خوشی پر مضمون لکھنے کے لیے دیا تھا۔ مجھے مضمون کا عنوان کچھ عجیب سا لگا۔ شام کو جب میں نے مضمون لکھنا شروع کیا تو مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا لکھوں۔ میں سوچ رہا تھا کہ حقیقی خوشی کیا ہے۔

کیا حقیقی خوشی کسی احساس یا کیفیت کا نام ہے۔ حقیقی خوشی حاصل ہونے پر کیا محسوس ہوتا ہے۔ ابھی میں اس بات پر غور کر ہی رہا تھا کہ مجھے امی کی آواز سنائی دی۔ ''بیٹا علی عصر کی اذان ہوگئی ہے۔ پہلے جا کر نماز پڑھ آؤ۔'' ''جی، امی جان!'' میں نے جواب دیا اور اپنی کتابیں سمیٹ کر نماز پڑھنے کے لیے مسجد کی طرف روانہ ہوا۔ مسجد پہنچ کر میں نے عصر کی نماز ادا کی اور واپس اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں مجھے اپنا دوست عباس نظر آیا۔ عباس ہمارے پڑوس میں ہی رہتا تھا اور میرا بہت اچھا دوست بھی تھا۔ ہم ہمیشہ ساتھ ہی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ سلام دعا کے بعد میں نے پوچھا۔ ''تم بتاؤ! آج ظہر کی نماز پڑھنے مسجد کیوں نہیں آئے؟'' ''بس وہ آج دیر ہوگئی تھی، اس لیے میں نے نماز گھر میں ہی پڑھ لی تھی۔'' اس نے پریشان سے لہجے میں کہا۔ ''عباس! تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو۔ گھر میں سب خیریت تو ہے؟'' میں نے کہا۔ ''نہیں، گھر میں تو سب خیریت ہے۔'' ''اگر کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ۔'' میں نے کہا۔ ''علی، کل رات تیز بارش ہونے کی وجہ سے ہمارے گھر میں پانی آگیا تھا جس کی وجہ سے بہت نقصان ہوا ہے۔ ابو کی آمدنی اور ساری جمع پونجی گھر کی مرمت پر لگ گئی ہے۔ پانی آنے کی وجہ سے میری ساری کتابیں اور کاپیاں خراب ہوگئی ہیں۔ اب میری نئی کتابیں اور کاپیاں نہیں آسکتی۔'' عباس نے کہا۔ ''اوہو! بغیر کتابوں کے سکول جانا تو تمہارے لیے واقعی مشکل ہو جائے گا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''ابو کہہ رہے ہیں کہ اگلے مہینے سے پہلے میری کتابیں نہیں آسکیں گی۔'' ''اچھا! عباس تم میرے ساتھ میرے گھر چلو، ہم وہاں بیٹھ کر تمہارے اس مسئلے کا حل سوچیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''مگر امی جان نے مجھے جلدی گھر آنے کا کہا تھا۔'' ''کچھ نہیں ہوتا ہم بس تھوڑی دیر ہی بیٹھیں گے۔'' ''اچھا۔ ٹھیک ہے۔'' میرے اصرار پر اس نے کہا۔ پھر ہم دونوں گھر کو چل دیے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا میں عباس کے اس مسئلے کا حل نکال سکوں گا۔ گھر پہنچ کر میں عباس کو لے کر اپنے کمرے میں آیا۔ ابھی ہم بیٹھے ہی تھے کہ اچانک میری نظر شیلف پر پڑے ہوئے ڈبے پر پڑی جس میں پچھلے سال سے اپنا جیب خرچ جمع کر رہا تھا۔ میں نے جمع کردہ رقم ڈبے سے نکالی تو وہ اتنی تھی کہ اس میں عباس کی نئی کتابیں اور کاپیاں آسانی سے آسکتی تھی۔

میں نے وہ رقم واپس ڈبے میں ڈالی اور عباس کے پاس آیا۔ ''یہ لو عباس، یہ میرے پورے سال کا جمع کردہ جیب خرچ ہے، اس سے تمہاری نئی کتابیں اور کاپیاں آسانی سے آجائیں گی۔''

''مگر علی میں یہ نہیں لے سکتا یہ تو تمہارا جیب خرچ ہے۔''

''عباس! تم صرف میرے دوست ہی نہیں، میرے بھائی بھی ہو اور ہمارے پیارے نبیﷺ کا ارشاد ہے: ''تم اس وقت تک نیکی (کی حقیقت) کو نہیں پاسکو گے جب تک تم اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔'' ''لیکن.....'' عباس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ویکن کچھ نہیں، بس اب تمہیں یہ لینے ہیں۔ پھر جب تمہارے ابو کے پاس پیسے آجائیں تو مجھے واپس کر دینا۔ اب یہ لے لو۔'' ''تمہارا بہت شکریہ علی۔'' عباس نے کہا۔

عباس کی مدد کرنے کے بعد مجھے عجیب سی خوشی اور اطمینان محسوس ہوا۔ اب میں جان چکا ہوں کہ حقیقی خوشی کیا ہوتی ہے۔

دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب

چھوٹی سی بات

فرقان شکیل، لاہور

''ماما! ماما! آج بھائی فرقان کو دادا ابو سے بہت ڈانٹ پڑی۔'' جونہی دروازہ کھلا ریحان نے لپکتے ہوئے بتایا۔

میں چند قدم آگے بھی نہ ہو پائی تھی کہ فرقان زار و قطار روتے ہوئے میرے سینے سے لگ گیا۔ مجھے سمجھ نہ آئی ہوا کیا ہے۔ اسی لمحے ابو جان کی آواز آئی۔

''میرا جمعہ رہ گیا؛ ان بچوں کو عقل نہیں ہے۔ جہاں جاتے ہیں، وہیں کے ہو جاتے ہیں۔ نہ انہوں نے خود نماز پڑھی، نہ مجھے جمعہ کے لیے جانے دیا۔''

فرقان یہ سن کر خاموش ہوگیا اور اپنے کمرے میں جا کر اپنے معمول کے کام نمٹانے لگا۔ میری نظریں اس کا پیچھا کرتی رہیں۔ جب تک وہ کسی بھی کام میں مشغول رہا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔ نہ اس نے وجہ بتائی، نہ مجھے وقت ملا۔ مغرب کی نماز سے کچھ دیر قبل میں نے فرقان کو پاس بٹھایا اور پوچھا۔ ''مجھے بتاؤ ہوا کیا ہے؟'' اس نے بتانا شروع کیا۔ ''ماما، جب آپ اسپتال میں

تھیں، دادا ابو نے ہمیں پھوپھو کی طرف بھیجا۔ وہاں ہم لیٹ ہوگئے، نماز جمعہ بھی رہ گئی۔ ابو جان بھی جمعہ پڑھنے نہ جا سکے۔ اس وجہ سے دادا ابو نے مجھے بہت ڈانٹا جس کی وجہ سے مجھے غصہ آ گیا۔"

میں نے ایک قرآن کی آیت پڑھی اور اس کا ترجمہ کیا:

"اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور ان کے آگے اف تک نہ کہو۔"

فرقان جب قرآن یہ حکم آپ کو دے رہا ہے تو غصے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ اگر ابو جی آپ کو مار بھی لیتے؛ تب بھی آپ غصہ کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ فرقان بیٹا ایک بات یاد رکھنا جو پیار کرتا ہے، اسے ڈانٹنے کا بھی حق ہوتا ہے۔ آئندہ آپ ابو جان کی کسی بات کا بُرا نہیں منائیں گے۔ ابھی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ابو جان کی آواز آئی۔ "بیٹے، نماز پڑھنے نہیں جانا کیا؟" فرقان نے جواب دیا۔ "آیا ابو جان۔" مجھے خوشی ہوئی کہ فرقان نے میری بات سمجھنے میں دیر نہیں لگائی۔

تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب

دوبارہ سے دوستی

محمد اسحاق یوسفی، پشاور

"السلام علیکم، میرے پیارے دوست سہیل! پچھلے ہفتے میں نے آپ کے ساتھ جو بدتمیزی کی تھی، اس کے لیے تم سے معافی چاہتا ہوں۔ اُمید کرتا ہوں آپ مجھے معاف کر کے دوبارہ میرے ساتھ دوستی قائم کریں گے۔ میں آئندہ آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ والسلام، آپ کا دوست: محمد عزیر۔"

سہیل احمد نے آج جیسے ہی ہوم ورک کے لیے انگلش کی کاپی کھولی، اسے کاپی کے اندر عزیر کے نام سے لکھا ہوا خط ملا۔ خط پڑھ کر سہیل احمد گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ماضی کی حسین یادوں کی فلم چلنے لگی۔

سہیل احمد اور محمد عزیر بچپن کے گہرے دوست تھے۔ دوست ہونے کے ساتھ ساتھ وہ دونوں ہم جماعت اور پڑوسی بھی تھے۔ ان کی آپس میں گہری محبت تھی۔ ان کا شمار کلاس کے با ادب، ہونہار اور محنتی طلبہ میں ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سبھی کلاس فیلو انہیں دیکھ کر رشک کرنے لگتے۔

نہ جانے پچھلے ہفتے کس کی نظر لگ گئی کہ اچانک ان کی دوستی ناراضی میں بدل گئی۔ ہوا یوں کہ سکول میں بریک کے دوران سکول گراؤنڈ میں کرکٹ کھیلتے ہوئے ان کے مابین معمولی سی بات پر تلخی ہوگئی اور تکرار پر بات بڑھتی گئی۔ کچھ حاسد طلبہ بھی معاملے کو ہوا دینے لگے اور یوں وہ ایک دوسرے سے ناراض ہوگئے۔ آج انہیں ناراض ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا تھا، لیکن دونوں کے تعلقات بدستور خراب تھے۔

دوسری طرف عزیر نے بھی شام کو کل کے ٹیسٹ کی تیاری کی غرض سے جب بیگ کھولا تو اندر سے ایک خط باہر آگرا۔ وہ اسے حیرانی سے اُٹھا کر پڑھنے لگا۔

"ڈیئر بھائی محمد عزیر، آپ کے ساتھ چند دن قبل میں جس بداخلاقی سے پیش آیا تھا، اس پر میں کافی پشیمان ہوں اور اس کی بابت میں تم سے معافی کا طلب گار ہوں۔ مجھے اُمید ہے آپ ایک اچھے دوست ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے مجھے معاف کریں گے اور پھر سے میرے ساتھ دوستی کا رشتہ استوار کریں گے۔ والسلام، تمہارا اپنا سہیل احمد۔"

عزیر بھی خط پڑھ کر سوچوں کی دُنیا میں گم ہوگیا اور کل کے دن کا بے تابی سے انتظار کرنے لگا۔

اگلے دن پہلے پیریڈ سے پہلے جماعت نہم کے طلباء نے ایک غیر متوقع منظر دیکھا۔ صبح کلاس میں داخل ہونے کے بعد عزیر کی نظر جیسے ہی سہیل پر پڑی، اس نے فوراً لپک کر اسے گلے لگا لیا۔ سہیل بھی جو اس موقع کے انتظار میں گھات لگائے بیٹھا تھا، اس سے لپٹ گیا۔ دونوں کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو جھلملانے لگے۔ ساری کلاس خوشی سے تالیاں بجا رہی تھی۔

عزیر روہانسی آواز میں معافی مانگتے ہوئے کہنے لگا۔ "مجھے معاف کردو میرے بھائی! مجھے خوب معلوم ہے کہ غلطی میری تھی، پھر بھی تم نے میری طرف دوستی میں پہل کی۔"

"نہیں، میرے دوست! غلطی تو دراصل میری تھی اور پھر بھی تم نے مجھ سے معافی مانگی۔ اب مزید مجھے شرمندہ مت کریں۔" سہیل بولا۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے معافی تلافی کی باتیں کرتے ہوئے دوبارہ گپ شپ میں منہمک ہوگئے۔ دونوں ایک دوسرے سے خط لکھنے میں پہل کرنے پر شکر گزاری کے کلمات کہہ رہے

تھے۔ ان کے پیچھے عثمان علی کھڑا مسکرا رہا تھا کیوں کہ یہ دراصل اسی کا کارنامہ تھا کہ اپنی طرف سے دونوں کو فرضی خطوط لکھ کر وہ ایک بار پھر ان کے درمیان ان کی دیرینہ دوستی قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اس طرح ان کے درمیان اس ٹوٹے ہوئے رشتے کو دوبارہ جوڑا۔ آج عثمان انہیں دوبارہ اکٹھے دیکھ کر دل میں کافی مطمئن تھا، اور خوش بھی کیوں کہ دو لوگوں کے درمیان صلح کروانا ایک نیک عمل ہے۔

چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب

کھچڑی کی دعوت

محمد ریز بٹ، لاہور

کسی گاؤں میں ایک لڑکا رہتا تھا۔ اس کا نام راجو تھا۔ ایک دن اس کے دوست نے اسے کھانے پر مدعو کیا۔ وہ وہاں جانے کے لیے ابھی تیار ہی ہو رہا تھا کہ اس کی امی جان نے اسے کہا۔ ''بیٹا! تمہارا تو پیٹ خراب ہے، اپنے دوست سے کہنا تمہیں کھچڑی کھلائے۔'' راجو منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''امی! کھچڑی؟ اتنا مشکل نام ہے مجھے تو یاد بھی نہیں رہے گا۔'' امی بولیں۔ ''تم کھچڑی کھچڑی کہتے ہوئے جانا، راستے میں تمہیں یہ لفظ یاد ہو جائے گا۔'' راجو اپنی امی کو خدا حافظ کہہ کر اپنے دوست کے گھر کی طرف چل دیا۔ رستے میں کھچڑی کھچڑی بولتا رہا مگر کچھ دُور جا کر لفظ بھول گیا اور کھاچڑی کھاچڑی بولنے لگا۔ یہ بولتے ہوئے وہ چاول کے کھیت میں سے گزرا۔ اتفاق سے وہاں کھیت کا مالک چڑیوں کو بھگا رہا تھا۔ جب اس نے راجو کے منہ سے ''کھاچڑی'' سنا تو آگ بگولا ہو گیا اور راجو کو پیٹنے لگا۔ راجو مار کھانے کے بعد بولا۔ ''بھائی! میرا قصور کیا ہے؟'' وہ بولا۔ ''میں اتنی مشکل سے چڑیوں کو بھگا رہا ہوں اور تو کہہ رہا ہے کھاچڑی!''

راجو منہ لٹکاتے ہوئے بولا۔ ''پھر میں کیا کہوں؟'' کھیت کا مالک کہنے لگا۔ ''تم کہو۔ جا چڑی، اُڑ چڑی۔'' اب راجو ''اڑ چڑی'' کہتے ہوئے ایک جنگل سے گزرا۔ ایک شکاری جال لگائے چڑیاں پکڑنے بیٹھا تھا لیکن شکار پھنس نہیں رہا تھا۔ جب اس نے راجو کے منہ سے ''اُڑ چڑی'' سنا تو اس کی خوب درگت بنائی۔ راجو کہتا رہ گیا کہ میرا کیا قصور ہے۔ شکاری بولا۔ ''پہلے ہی صبح سے کوئی چڑیا ہاتھ نہیں آرہی اور تو کہہ رہا ہے اُڑ چڑی۔'' تم کہو۔ آتے جاؤ، پھنستے جاؤ۔'' اب راجو اپنی چوٹوں کو سہلاتے ہوئے ایک گلی سے گزرے۔ اس گلی میں پولیس چوروں کو تلاش کر رہی تھی۔ راجو بولا ''آتے جاؤ پھنستے جاؤ'' کہتے ہوئے ایک گھر کے سامنے سے گزرے۔ اتفاق سے چور بھی اسی گھر میں چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے راجو کو گھر میں کھینچ کر خوب مارا کہ ہم پولیس سے چھپ رہے ہیں اور تم کہہ رہے ہو۔ ''آتے جاؤ، پھنستے جاؤ۔'' تم کہو کہ ''ایسے دن کبھی نہ آئیں۔'' اب راجو یہ جملہ دہراتے ہوئے چل دیا۔ وہیں سے ایک بارات کا گزر ہو رہا تھا۔ جب باراتیوں نے یہ جملہ سنا تو راجو کو خوب پیٹا اور کہنے لگے کہ ہمارے خاندان کے پہلے بیٹے کی شادی ہو رہی ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ ایسے دن کبھی نہ آئیں۔ تم کہو کہ ''ایسے دن بار بار آئیں۔'' اب راجو یہ کہتا ہوا آگے بڑھا۔ آخر اپنے دوست کی گلی کے قریب پہنچنے والا تھا کہ وہاں کسی کا جنازہ گزرا۔ جنازہ لے کر جانے والے افراد پہلے ہی غم زدہ تھے۔ جب انہوں نے راجو کا جملہ سنا تو غصہ میں آکر اسے مارنے لگے اور کہا کہ ہمارے بزرگ کا جنازہ جا رہا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ ''ایسے دن بار بار آئیں۔'' راجو بولا۔ ''پھر میں کیا کہوں۔'' وہ بولے۔ ''تم کہو! اللہ بخشے، اللہ معافی۔''

اب راجو یہ کہتے ہوئے اپنے دوست کے گھر پہنچ گئے۔ دوست نے پوچھا۔ ''تمہاری یہ حالت کیسے ہوئی؟'' راجو بولا۔ ''اللہ بخشے، اللہ معافی۔'' دوست نے پوچھا کہ تمہیں چوٹیں کیسے لگیں۔ راجو پھر بولا۔ ''اللہ بخشے، اللہ معافی۔'' اتنے میں راجو کے دوست کی امی کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔ ''آخر تم دونوں دوستوں میں کیا کھچڑی پک رہی ہے؟'' راجو خوشی کے مارے چیخ پڑا۔ ''ہاں یاد آگیا، امی نے کہا تھا کہ دوست سے کہنا کہ تمہیں کھچڑی کھلائے۔'' اس کے بعد راجو نے ساری روداد دوست کو سنائی۔ پھر راجو کے لیے خاص طور پر کھچڑی پکائی گئی۔ راجو نے کھچڑی کھائی مگر کئی دنوں تک چوٹوں کے درد سے کراہ کر کہتا رہا۔ ''کھچڑی کھانا کوئی آسان کام نہیں۔''

پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب

☆☆☆

وہ اتوار کا دن تھا، آسمان نیلا اور صاف تھی۔ بارش کو تھمے ابھی کچھ دیر ہی ہوئی تھی۔ بارش کی بھینی بھینی خوشبو سے فضا معطر تھی۔ لوگ اس موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے گھروں سے باہر نکل چکے تھے۔

گلی میں بچوں کی شریر ٹولی بھی شامل تھی جو ایک پاگل لڑکے کو تضحیک کا نشانہ بنا رہی تھی، وہ اپنے اسی مشغلے کے سنگ، موسم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس مرتبہ دوسرے لوگ بھی اس کارروائی کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے اور اس وجہ سے ٹولی کے لڑکے مزید شیر ہوگئے۔

عمیر یہ منظر اپنے گھر کی چھت سے دیکھ رہا تھا۔ وہ یہاں کا نیا رہائشی تھا۔ جب سے وہ آیا تھا، اسے شریر ٹولی اکثر و بیشتر ایک لڑکے کو تنگ کرتے دکھائی دی جو محلے بھر میں پاگل سمجھا جاتا تھا۔ عمیر کے خیال میں وہ لڑکا پاگل نہیں تھا۔ اس کے دل میں پاگل لڑکے کے لیے ہمدردی تھی مگر وہ کچھ کر نہ پا رہا تھا۔

ایک شام عمیر معمول کے مطابق کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔ وہ شریر ٹولی کی کارروائیوں کو دیکھ رہا تھا۔

اچانک عمیر کے پڑوس کے گھر کا دروازہ کھلا اور ایک بابا جی باہر نکلے۔ ہاتھ میں لاٹھی لیے وہ آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ وہ یہاں کے نئے مکین تھے اور نہایت اچھے اخلاق و کردار کے مالک تھے۔ پورے محلے میں ان کی نیک نامی پھیل چکی تھی اور ہر محلے دار ان کا احترام کرتا تھا۔ بابا جی کا رُخ شریر ٹولی کی طرف تھا، قریب پہنچتے ہی انہوں نے بارعب آواز میں کہا۔ ”اے ہٹو! یہ کیا تماشہ بنا رکھا...... چلو اپنے اپنے گھروں کو جاؤ۔“

ان کی آواز سنتے ہی شریر ٹولی منتشر ہوگئی۔ انہوں نے دیکھا کہ بابا جی نے پاگل لڑکے کو سینے سے لگایا اور اپنے ساتھ گھر لے گئے۔

اگلے روز بھی جب شریر ٹولی اپنی کارروائی میں مشغول تھی تو بابا جی آدھمکے اور لڑکوں کو ڈانٹ کر پھر پاگل لڑکے کو اپنے ساتھ لے گئے۔ شریر ٹولی کو بابا جی پر بے حد غصہ آیا اور پیچ و تاب کھاتے ہوئے سڑک کنارے جمع ہوگئے۔

”مجھے تو دال میں کچھ کالا محسوس ہوتا ہے۔“ ٹولی کا سرغنہ بولا۔

”ہاں اور کیا...... کہیں بابا تخریب کار تو نہیں...... آج کل بچوں کے اغواء کا دھندا چل رہا ہے، کیا پتا بابا جی بھی اس گروہ کے رکن

ہوں۔‘‘ فیاض نے اپنا خیال پیش کیا۔
’’کہتے تو تم ٹھیک ہو، اگر ہم یہ بات معلوم کرلیں تو ہم جاسوس بن جائیں گے اور لوگ ہم سے کیس حل کروایا کریں گے۔‘‘ ارحم نے دُور نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔
’’میرا خیال ہے خیالی پلاؤ پکانے سے کہیں بہتر ہے کہ ہم کچھ کردکھائیں۔‘‘ ٹولی کے سرغنہ نے بُرا سا منہ بنایا۔
’’پھر تم ہی بتاؤ کیا کریں۔‘‘ فیروز نے کہا۔
’’سنو!‘‘
تمام لڑکے گول دائرے کی صورت میں کھڑے ہوگئے اور پھر سب نے ایک ساتھ ہی سر جھکائے۔
کئی ناریلوں کے ٹکرانے کی آواز اُبھری۔ قریب سے گزرتے ہوئے راہگیر نے بوکھلا کر پوچھا۔ ’’ارے کیا کررہے ہو...... دماغ تونہیں چل گیا۔‘‘
’’جی وہ...... بس دماغ چلانے کے ٹوٹکے آزما رہے تھے۔‘‘ منیر نے کہا جو کہ چلبلے مزاج کا تھا۔
راہگیر انہیں گھور کر رہ گیا۔
کچھ دیر لڑکوں کے بیچ میں کھسر پھسر ہوتی رہی اور پھر وہ عمیر کے گھر کی طرف بڑھے۔ عمیر ان کی کارروائی کو دیکھ رہا تھا، اپنے گھر کی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ حیران ہوگیا۔

☆☆☆

عمیر نے دروازہ کھولا۔ چھ سات لڑکے اس کے منتظر تھے۔
’’اسلام علیکم...... دراصل آپ نئے مکین ہیں ناں...... تو بس ہم آپ سے ملنے آئے ہیں۔‘‘ منصوبے کے تحت ٹولی کے سرغنہ نے کہا۔
’’اچھا، آیئے اندر!‘‘ عمیر نے انہیں جگہ دی اور مہمان خانے کا دروازہ کھول دیا۔ کچھ دیر بعد وہ ان کے سامنے تھا۔
’’جی اب فرمایئے۔‘‘ عمیر نے ان سب پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔
’’میں آپ کو بتاتا ہوں لیکن اس سے پہلے آپ کو یہ بات راز میں رکھنے کا وعدہ کرنا پڑے گا۔‘‘ سرغنہ بولا۔
’’ٹھیک ہے۔‘‘
فیاض نے مدھم آواز میں اپنا منصوبہ بتایا۔
عمیر نے کچھ دیر سوچا پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔ ان کے ہمراہ وہ چھت پر پہنچا۔
’’ویسے ایک بات کہوں...... میرا دعویٰ ہے کہ بابا جی کے بارے میں تم لوگوں کا شک بالکل غلط ثابت ہوجائے گا۔‘‘
’’ہمیں کسی مغالطے میں نہیں رہنا چاہیے۔ آئیں کام کریں...... دیر نہ ہوجائے...... شام ختم ہونے کو ہے۔‘‘ ٹولی کے سرغنہ نے چھت کا جائزہ لیا۔
’’ٹھیک ہے...... مگر میں اس کام میں شامل نہیں ہوں گا۔‘‘ عمیر نے کہا۔
وہ سب عمیر کی چھت سے بابا جی کے گھر میں آہستہ سے کودے اور زینے کا جائزہ لیا جو کہ بند تھا۔ اب انہوں نے پھر جائزہ لیا۔ شام کے سائے گہرے ہورہے تھے۔ انہوں نے رسّی بابا جی کی گرل سے لٹکائی۔ اب مسئلہ رسّی کے ذریعے نیچے جانے کا تھا۔ نعمان آگے بڑھا اور سینے پہ ہاتھ رکھ کر بولا۔ ’’مجھے آتا ہے...... اسکاؤٹنگ میں، میں نے سیکھا تھا۔‘‘
نعمان نے رسّی تھامی اور لٹک گیا۔ باقی سب اسے دیکھنے لگے۔ نعمان پھسلتا گیا۔ ابھی آدھا فاصلہ بھی عبور نہ ہوا تھا کہ اس کا جوتا نیچے گرگیا۔ جوتا گرنے کی آواز بلند ہوئی اور نعمان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ نعمان نے بوکھلا کر نیچے دیکھا اور پھر پھرتی سے واپس چھت پر آکر سانس لینے لگا۔ باقی ساتھی اسے گھورنے لگے۔ ’’اچھے بھلے منصوبے پر پانی پھیر دیا۔‘‘ سرغنہ نے غصہ سے کہا۔
’’اچھا! اب غصہ نہ کرو...... کچھ دیر بعد ہم پھر کوشش کرتے ہیں۔‘‘ منیر نے کہا اور وہ سب انتظار کرنے لگے۔
کچھ دیر بعد وہ پھر اپنے منصوبے پر عمل کررہے تھے۔ اللہ اللہ کر کے نیچے جانے کا مرحلہ پورا ہوا۔ وہ سب آہستہ سے آگے بڑھتے ہوئے اس کمرے کی کھڑکی تک پہنچے جہاں روشنی آرہی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ بابا جی پاگل لڑکے کے ساتھ بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں پڑی تھیں۔
’’آ...... اوہ...... مرگیا......‘‘ ارحم نے مدھم آواز میں چیخ ماری اور گلی میں بھاگنے لگا۔ اسے ایک کیڑے نے کاٹ لیا تھا اور درد کی شدّت سے وہ اُچھلنے لگا۔ باقی ساتھی اسے قابو کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اس ہڑبونگ میں منیر کا پاؤں خالی گملے سے ٹکرایا اور گملا ٹوٹ گیا۔ اسی جھونک میں سب ایک دوسرے پر گرے اور ایسے

بُری طرح گرے کہ اٹھ نہ پائے، یہاں تک کہ بابا جی سر پر آن پہنچے۔ ان کی بتیاں گم ہوگئیں۔ بڑی مشکل سے اٹھ پائے اور وہ سب مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑے ہوگئے۔

''اچھا! تو تم لوگ میرے گھر چوری کرنے آئے تھے۔'' بابا جی نے آنکھیں نکالیں۔

''جی نہیں، بلکہ آپ کو تخریب کار ثابت کرنے آئے تھے۔'' منیر نے بڑی مشکل سے جواب دیا کیونکہ اپنے ساتھیوں کی طرح وہ بھی کانپ رہا تھا۔
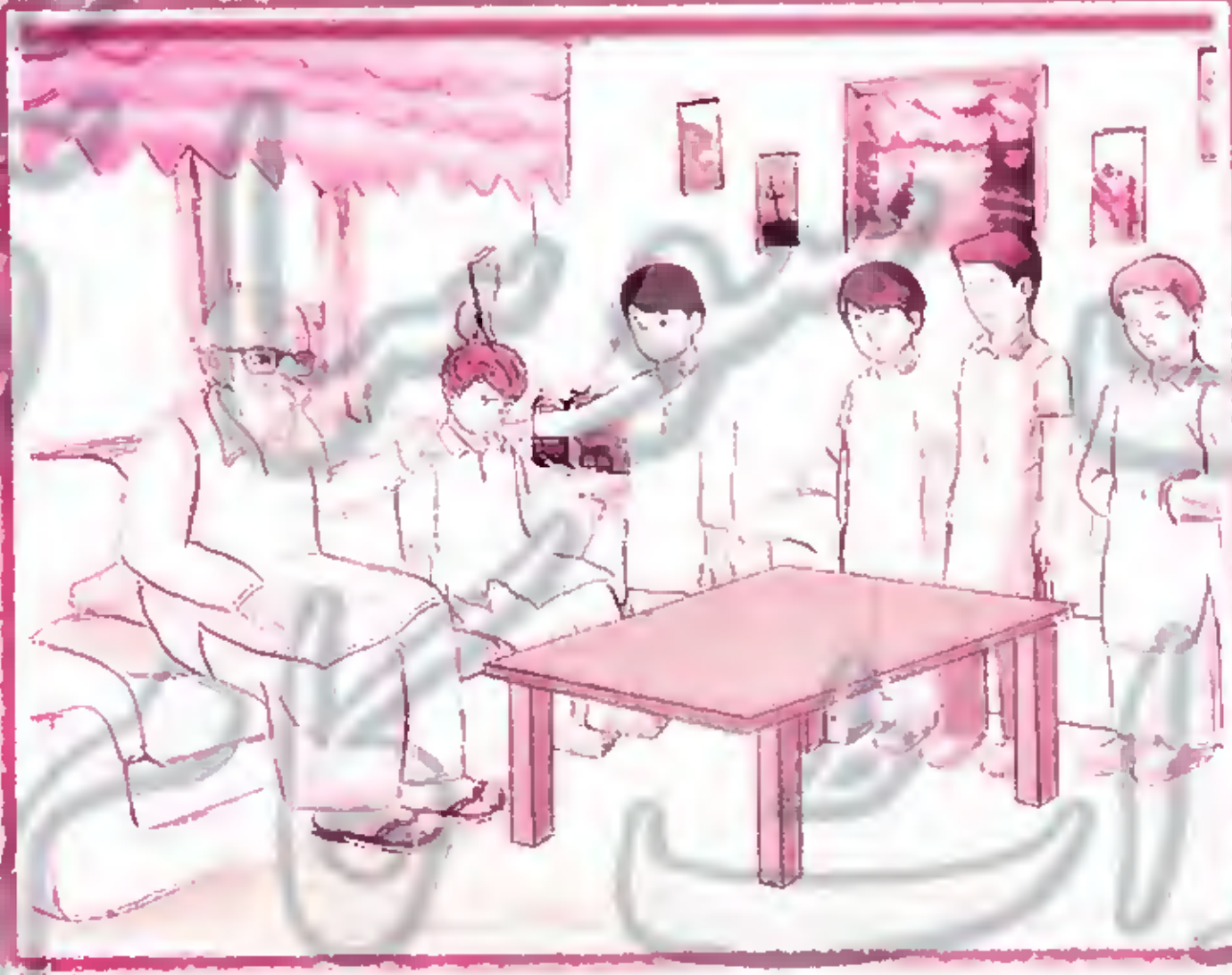
''اچھا! آؤ اندر۔'' بابا جی نے ہنس کر کہا اور ان سب کو لے کر کمرے میں داخل ہوئے۔

ٹولی کے سرغنہ نے آنکھیں نکال کر ارحم کو دیکھا اور بولا۔ ''تم سے بعد میں نبٹوں گا۔''

''میں نے کیا کیا ہے...... وہ کیڑے نے کاٹ لیا تھا۔''

''کیڑے کے بچے...... بڑے آئے تھے جاسوسی کرنے......''

''اچھا! تو تم مجھے تخریب کار سمجھ رہے تھے جب کہ ایسا نہیں ہے......'' بابا جی نے نہایت نرمی سے گویا ہوئے۔ پھر بولے۔ ''میں تمہیں بتاتا ہوں...... دراصل مجھے پاگل لڑکے کی حالت پر ترس آیا اور جب میں نے اس سے ملاقات کی تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ پاگل نہیں، بس ذہنی دباؤ اور حالات نے اس کی یہ حالت کر دی ہے...... مجھے تو افسوس اس بات کا ہے کہ تم اس کے محلے میں رہتے ہوئے، اس کی مدد نہ کر سکے حالاں کہ یہ تمہارا فرض تھا۔'' بابا جی نے انہیں اصل بات بتائی۔

''بابا جی، وہ پاگل ہے۔ آپ خوامخواہ وقت ضائع کر رہے ہیں۔ کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔'' فیاض نے کہا۔

''نہیں، میرے بیٹو! وہ بھی انسان ہے...... اگر تم اس کی جگہ ہوتے تو پھر تمہیں احساس ہوتا...... محرومیوں اور حالات نے اسے اس قدر ذہنی دباؤ میں مبتلا کر دیا ہے کہ وہ اپنی پہچان تک بھلا بیٹھا ہے...... لیکن میرا خیال ہے اگر ہم سب مل کر کوشش کریں تو وہ بھی عام انسان کی طرح زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے گا۔'' بابا جی نے انہیں مزید کچھ دیر سمجھایا۔ تمام لڑکے سوچ میں ڈوب گئے۔ بابا جی نے رات کے پیش نظر انہیں جلد رخصت کر دیا۔

اگلے دن ان سب نے مل کر عمیر کو گزشتہ روز کی کارروائی سے آگاہ کیا، سو عمیر نے بابا جی کے الفاظ کی تائید کی اور ان لڑکوں کو

قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا جو ابھی تک نہ ہوئے تھے۔ یہ ننھا قافلہ بابا جی کے گھر پہنچا اور بابا جی کے دروازہ کھولنے پر ٹولی کے سرغنہ نے ان سے معافی مانگی اور بولا۔ ''بابا جی! آپ نے ہماری اصلاح کی...... آپ کا شکریہ...... واقعی ہم غلطی پر تھے...... اس کارِ خیر میں ہم آپ کے شانہ بشانہ ہوں گے۔''

''بابا جی، اس اصلاح میں عمیر بھائی بھی شامل ہیں۔'' ارحم نے کہا اور عمیر کا ان سے تعارف کرایا۔ بابا جی نے عمیر کو شاباش دی۔

''بابا جی، آپ بہت اچھے ہیں۔'' فیضان نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں...... تم بھی اچھے ہو...... کیونکہ علامہ اقبال نے کہا ہے:

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

☆☆☆

ب	س	چ	ش	ک	ن	ا	ڑ	ع	ی
ژ	ب	ا	ق	ع	ق	ط	گ	ل	چ
ا	ل	ز	ف	ت	چ	ن	ض	ظ	ک
ط	ط	ص	چ	ڑ	ی	ا	ن	ش	و
و	ن	ڈ	ا	و	ک	ن	م	د	ر
ط	ت	س	ٹ	ے	م	ر	غ	ی	ت
ز	م	ر	ر	ی	ٹ	ب	ش	ظ	ٹ
گ	ع	خ	غ	چ	ج	ن	و	ک	ر
ر	پ	ا	ط	ف	ب	ط	خ	ق	ڑ
س	چ	ب	ظ	ص	م	ن	ا	ی	و

آپ نے حروف ملا کر دس پرندوں کے نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان ناموں کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اُوپر سے نیچے اور نیچے سے اُوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن ناموں کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں:

چڑیا، سرخاب، بٹیر، کوّا، چکور، عقاب، کونج، بطخ، مرغی، طوطا

مدیرہ تعلیم و تربیت، السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

اُمید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ میں نے کچھ مہینوں سے تعلیم و تربیت کے سلسلوں میں حصہ نہیں لیا جس کی وجہ پڑھائی میں مصروفیت تھی۔ اب میں نے سوچا کیوں نہ تھوڑا وقت بچا کر اپنے پیارے "تعلیم و تربیت" کی شان میں کچھ کہوں۔ تعلیم و تربیت جب بھی آتا ہے، پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت نظر آتا ہے۔ میں روزانہ پانچ وقت کی نماز کے بعد تعلیم و تربیت کے لیے دعا کرتی ہوں۔ جب تک جنوری کا شمارہ شائع ہوگا، نیا سال شروع ہو چکا ہوگا۔ آپ کو میری طرف سے "نیا سال مبارک" ہو۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سال کو آپ کے لیے مبارک کرے اور آپ کو خوشیاں دے۔ زندگی رہی تو ان شاء اللہ دوبارہ حصہ لوں گی۔ آپ ہمیشہ خوش رہیں۔ آمین!

☆ خط لکھنے اور میگزین کی تعریف کا بہت شکریہ!

اُمید ہے آپ خیر و عافیت سے ہوں گی۔ آپ اور تعلیم و تربیت کی پوری ٹیم اگلا شمارہ تیار کرنے میں جوش و خروش سے مشغول ہو گی۔ پچھلے ماہ میرے خط کی پسندیدگی اور کہانی شائع کرنے کا بہت شکریہ! جب میری کہانی چھپتی ہے تو کیا سماں ہوتا ہے؟ ہر طرف سے شاباش، مبارکیں اور حوصلہ افزائی...... مجھے اتنی خوشی ہوتی ہے جتنی کہ...... جتنی کہ کیا بتاؤں آپ کو؟ وہ الفاظ میرے پاس نہیں ہیں۔ ہر طرف یہی بات ہوتی ہے کہ حفصہ "رائٹر" بن گئی ہے، تو میں بہت خوش ہوتی ہوں۔ ہاں! آپ ہی بتائیں اپنی تعریف پہ کون خوش نہیں ہوتا؟

میں مر بھی جاؤں تو کہاں لوگ بھلا ہی دیں گے
میرے لفظ میرے ہونے کی گواہی دیں گے

اس مرتبہ تو میری کہانی کی برکت کی وجہ سے مجھے رسالہ یکم کو ہی مل گیا، یقیناً سب کو ہی جلد مل گیا ہوگا۔ تمام کہانیاں ٹاپ پر تھیں۔ ناول "ٹھگ" بے مثال ہے لیکن رسالے میں کچھ کمی بھی محسوس ہوئی، وہ کیا؟ آپ بتائیں مگر اتنا کون انتظار کرے گا۔ چلیے میں ہی بتا دیتی ہوں، "چچا بھلکڑ" دو ماہ بعد میرے بورڈ میں میٹرک کے امتحان ہوں گے۔ پلیز! آپ سب میری کامیابی کے لیے دعا کر رہے گا۔

سارے رسالوں سے اچھا تعلیم و تربیت ہمارا
ہم پھول ہیں اس کے یہ گلستاں ہے ہمارا

(حفصہ اعجاز، سوانی)

☆ آپ کا خوب صورت خط بہت پسند آیا، اُمید ہے رابطہ رہے گا۔

اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی۔ تعلیم و تربیت بہت عمدہ رسالہ ہے جسے میں بہت زیادہ شوق سے پڑھتی ہوں۔ ہر ماہ اس کا انتظار بھی کرتی ہوں اور اس میں شرکت بھی کرتی ہوں۔ آپی! ہمیں آپ سے ایک شکایت ہے کہ آپ ہمارا خط شائع نہیں کرتیں۔ پورا ماہ بے صبری سے انتظار کرنے کے بعد جب رسالہ گھر پہنچتا ہے تو اس میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ جگہ کی کمی کے باعث خط شائع نہیں کیے گئے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ ہمارے خط کو بھی جگہ دی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے "تعلیم و تربیت" کو اور ترقی دے۔ آمین! آپ کی ایک پیاری سی قاریہ۔

(حافظ آمنہ اسلم، حافظ منیب اقبال، جہانیاں)

تعلیم و تربیت رسالہ ایک تفریحی اور تربیتی رسالہ ہے جس میں بچوں کی کردار سازی، تربیت، تعلیمی و تفریحی مشاغل اور مزاح کا مواد موجود ہے۔ ہمیشہ کی طرح اس ماہ بھی تعلیم و تربیت کی تحریریں شان دار تھیں مگر "محبت کی کھیتی" ٹاپ پر رہی۔ اگر یہی محبت کی بارش اور مہکتی کلی حکمرانوں کے دماغوں میں سما جائے تو پاکستان میں ہر طرف ہریالی اور خوش حالی کے خوب صورت پھول عوام کی صورت میں خوشبوئیں بکھیرتے نظر آئیں گے۔ افسوس! حکمرانوں پر اور رعایا پر بھی۔ کیا ہی مزہ تھا اگر آپی اس ماہ کا رسالہ سیرت نمبر ہو جاتا تو ہم تعلیم و تربیت کو پیارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حیات مبارکہ کے درخشاں پہلوؤں سے سجا دیتے۔ چلو خیر! میں ان شاء اللہ ہر ماہ کچھ نہ کچھ بھیجنے کی کوشش کروں گی۔ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو ترقی سے ہمکنار فرمائے۔ آمین!

(شازیہ ہاشم میوانی، کھڈیاں قصور)

☆ آپ کی تجاویز پر آئندہ غور کیا جائے گا۔

زمانہ قدیم کی روایات کا حامل پُراسرار اور لعلِ بدخشاں کہانی کو اپنے اندر سموئے تعلیم و تربیت دسمبر کا شمارہ بہت ہی عمدہ لگ رہا تھا۔ حمدِ باری تعالیٰ اور نعت بہت اچھی لگیں۔ ماشاء اللہ ریاض حسین قمر بہت عمدہ طریقے سے لفظوں کو شاعری میں ڈھالتے ہیں۔ اتباعِ سنت بہت اچھا مضمون تھا۔ بے شک ہماری کام یابی کے لیے پیارے نبی کریمؐ کی اتباع کرنا ہی اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔ نبی رحمتؐ کا مضمون بھی اختصار کے ساتھ آپؐ کی پوری زندگی کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔ آپؐ پہ کروڑوں درود و سلام۔ پھول لے لو پھول، سردار اور فضل دین کی دوستی بھی خوب تھی۔ سچ کہا، محبت کی کھیتی گلاب جیسی۔ ''ٹھگ'' کی چالاکیاں بھی خوب رہیں۔ دیکھیں آئندہ کیا کرتا ہے۔ بے زبان کو مارنا بری بات ہے اور خالد کو اس کی خوب سمجھ آگئی تھی۔ پیارے اللہ کے پیارے نام بہت ہی اچھے ہوتے ہیں اور ہمیں چاہیے اُٹھتے بیٹھتے باوضو ان کا ورد جاری رکھیں۔ فریال کی ایمان داری اور فرض شناسی نے بہت اچھا تاثر دیا۔ اس نے پانچ روپے کا قرض یاد رکھا تھا۔ ملت کا پاسباں محمد علی جناح پر خوب صورت شاعری نغمے کی صورت بہت اچھی تھی۔ معذوری عیب نہیں اچھی لگی۔ نیکی کا بدلہ، سرخ اُونی چادر اور قائداعظم زندہ باد بھرپور اور عمدہ تحریریں تھیں۔ صحرائے چولستان کی سنہری ریت کی دلکشی سیاحوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور پھر چولستان کے چرنے والے مویشیوں کے گلے کی گھنٹی ٹن ٹن کرتی ہے تو اپنی مسحور کن آواز سے عجب سماں باندھ دیتی ہے۔ یوں سارا میگزین ہی اپنی لاجواب تحریروں سے دل جیت گیا۔

(عبدالجبار رومی انصاری، لاہور)

☆ **میگزین کی تعریف اور پسندیدگی کا بہت شکریہ!**

کیسی ہیں آپ؟ اُمید ہے ٹھیک ہوں گی، تبھی تو ٹیم دسمبر کا اتنا زبردست تعلیم و تربیت ملا۔ ''ٹھگ'' زبردست جا رہا ہے۔ پہلے اسی کو پڑھ کر دم لیا۔ اس کے بعد ''لعلِ بدخشاں'' پڑھی جسے سرورق پہ تصاویر دیکھ کر پڑھنے کو بے قرار ہو گیا تھا۔ ''معذوری عیب نہیں'' اور ''محبت کی کھیتی گلاب جیسی'' بھی بہت دل کو بھائیں۔ ''پیارے اللہ کے پیارے نام'' ایک بہت خوب صورت اور انوکھا سلسلہ ہے۔ اُمید ہے ہمیشہ جاری رہے گا تاکہ قارئین کی اصلاح ہوتی رہے۔ ایک مزے دار کہانی ارسال کی ہے۔ ''چالاک فہد اور چور'' عرب لوک کہانی ہے، یقیناً پسند آئے گی۔ اچھا، ایک سوال پوچھنا ہے کہ اگر ہم کسی مخصوص مہینے کے لیے کچھ ارسال کرنا چاہیں، مثلاً ستمبر کے لیے یومِ دفاع کے متعلق کچھ بھیجنا ہو تو کتنا عرصہ پہلے بھیج دیں؟

(عبداللہ ایوب، جہلم)

☆ **آپ اپنی تحاریر کم از کم ایک ماہ پہلے بھیج سکتے ہیں۔**

ڈیئر ایڈیٹر صاحب! اُمید ہے آپ اور آپ کی ٹیم بخیریت ہو گی۔ پچھلے ماہ مجھے میرے پرچوں کے رزلٹ کا انتظار تھا۔ اللہ کے کرم سے میں نے ساتویں جماعت میں اوّل پوزیشن حاصل کی اور مجھے بیسٹ سٹوڈنٹ آف ایئر کے انعام کے طور پر بورڈ آف آنر سے نوازا گیا۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ یہ میرے والدین، اساتذہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے اور اس تعلیم کا جو ہمیں تعلیم و تربیت دیتا ہے۔ آپ سب کو نیا سال مبارک ہو۔ میرے چھوٹے بھائی کی سالگرہ بھی ہم نے دسمبر میں بڑی دھوم دھام سے منائی۔ دسمبر کا رسالہ اپنی مثال آپ تھا۔ تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ اللہ میرے اس باغ کو اور کھلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی ہمت دے۔ آمین! اگلے ماہ آپ سے پھر ملیں گے نئی دعاؤں اور تعریفوں کے ساتھ، ان شاء اللہ!

(وردہ زہرا، جھنگ صدر)

☆ **آپ کو کلاس میں اچھی کام یابی پر مبارک باد!**

میری طرف سے تعلیم و تربیت کی پوری ٹیم کو نیا سال مبارک ہو۔ یہ میرا دوسرا خط ہے، پہلا شائع نہیں ہوا۔ اگر آپ میرا خط شائع کر دیں گے تو مجھے دلی خوشی ہو گی۔ میں نے آپ کو بہت سی تحریریں بھیجی ہیں مگر اب تک ایک بھی نہیں چھپی۔ کیا میری تحریریں معیاری نہیں؟ اگر بات کریں رسالہ کی تو رسالہ ہمیشہ کی طرح بہت اچھا تھا۔ ٹھگ ناول بہت اچھا ہے۔ نیکی کا بدلہ کی تو کیا ہی بات ہے۔ بچوں کا انسائیکلوپیڈیا بہت ہی اچھا سلسلہ ہے۔ جنوری میں میری سالگرہ ہے۔ پلیز! میرا خط شائع کر دیں تاکہ میں آگے بھی کچھ لکھ سکوں۔

(زرناب، لاہور)

ان ساتھیوں کے خطوط بھی بہت مثبت اور اچھے تھے، تاہم جگہ کی کمی کے باعث ان کے نام شائع کیے جا رہے ہیں:

زوبیہ بشیر، سیالکوٹ۔ مازرہ شاہد، راولپنڈی۔ طیبہ فاطمہ گدون، صوابی۔ عروج فاطمہ، جتر ساجد حسین، کھاریاں۔ عائشہ صدیقہ، راولپنڈی۔ مریم خالد، گوجرانوالہ۔ حسن رضا سرور، خدیجہ نشان، عائشہ فاطمہ، کاموکی۔ زاہد عزیز باجوڑی، ننھد ار۔ محمد حاشر، چارسدہ۔ نورین اشفاق، رحیم یار خان۔ جلال حیدری، کراچی۔ ثوبیہ حسن، خانیوال۔ بشریٰ ارشد، نوشہرہ۔ عثمان جلال، پشاور۔ عروسہ اشفاق، اٹک۔ افنان امتیاز، گجرات۔ ملیحہ نور، لاہور۔ نبیل صدیقی، لاہور۔ ظل ہما، کراچی۔ مریم نعمان، ساہی وال۔ جلال عابد بٹ، اوکاڑہ۔ اللہ نذیر، قلعہ دیدار سنگھ۔ عدیل نذیر، کوہاٹ۔ ارسلان، لیہ۔

ذہانت آزمائیں اور 500 روپے کی کتابوں کا انعام پائیں۔

آج پپی لاج میں بہت رونق تھی، بڑی آپا کی شادی جو تھی۔ دادی اماں نے سب کو ہدایت کر رکھی تھی کہ گھر کو قمقموں اور پھولوں سے سجایا جائے کیوں کہ آپا، بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھیں اور یہ پپی لاج میں پہلی شادی تھی۔ لان کو خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ شام کے وقت گھر قمقموں سے دمکتا بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ سبھی لڑکیاں لان میں چاندنی بچھا کر بیٹھی تھیں۔ دادی جان تخت پوش پر براجمان تھیں۔ لڑکیاں چاندنی پر مہندی کا تھال سجا رہی تھیں۔ کہیں ہاتھوں پر مہندی لگ رہی تھی۔ دادی اماں بہت زندہ دل ہیں۔ بیٹھے بیٹھے لڑکیوں سے ایک سوال کر بیٹھیں۔ ''پیاری بچیو! ذرا سنو اور اس کا جواب دو۔'' سب لڑکیاں توجہ سے دادی جان کی طرف دیکھنے لگیں۔ دادی جان بولیں:

ایک نار دیکھی میں نے ہری — اندر سب لہو سے بھری
اس سے ہاتھ جو سنگت کرے — اپنے ہاتھ لہو سے بھرے

یقیناً سب لڑکیوں نے بوجھ لیا تھا۔ سب ایک دوسرے کی طرف مسکرا کر دیکھنے لگیں، آخر دادی جان سے انعام بھی تو لینا تھا۔
پیارے بچو! آپ بھی انعام لینا چاہتے ہیں تو پھر سوچ کر بتایئے جلدی سے!

پیارے بچو! دسمبر 2016ء کے کھوج لگایئے کا جواب ہے: سپاہی شیر دل نے پردے کے پیچھے چور کے پاؤں دیکھ لیے تھے۔
اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے پانچ ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیئے جا رہے ہیں۔

1- شاہ زیب گھنگ، ننکانہ صاحب
2- ہادیہ جاوید، کھاریاں
3- ملیحہ نور، لاہور
4- محمد حامد رضا، چنیوٹ
5- خدیجہ نشان، کامونکی

بٹیر یورپ، شمالی اور وسطی ایشیاء، بھارت اور پاکستان سے لے کر افریقہ تک پایا جاتا ہے۔ موسمی نقل مکانی کرتا ہے۔ عام طور پر جوڑا جوڑا رہتا ہے مگر جہاں خوراک کافی ہو وہاں بہت سے بٹیر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

جب بٹیر کو اُڑایا جائے تو تقریباً عمودی پرواز کرتا ہوا اُڑتا ہے۔ موسم خزاں میں شمالی علاقوں سے اس کی بڑی بڑی ڈاریں جن میں 100 تک پرندے ہوتے ہیں، رات کے وقت شمال مغربی پاکستان میں داخل ہوتے ہیں اور موسم سرما میں یہ پرندے سارے پاکستان اور بھارت میں پھیل جاتے ہیں۔ موسم بہار میں بہت سے بٹیر شمالی علاقوں میں دوبارہ نقل مکانی کرتے ہیں۔ کچھ بٹیر پاکستان میں نسل کشی کرتے ہیں۔

مادہ زمین پر بغیر تنکوں کا گھونسلا بناتی ہے اور 6 سے 13 تک انڈے دیتی ہے جو سرخی مائل، بھورے رنگ کے ہوتے ہیں۔ 17 دن میں بچے نکل آتے ہیں اور 19 دن میں پرواز کے قابل ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

کونج موسم بہار اور موسم گرما میں شمالی یورپ اور شمالی ایشیاء میں نسل کشی کرتی ہے اور موسم سرما میں جنوبی یورپ، مشرق وسطی، پاکستان، بھارت اور جنوب مشرق ایشیاء میں آتی ہے۔ اس کی ڈار میں 100 تک پرندے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ چھوٹی کونج بھی اس کے ساتھ ہوتی ہے جو اس کی طرح شمالی علاقوں سے آتی ہے۔ پرواز کے دوران اکثر آٹھ (۸) کے ہندسے کی طرح قطار میں اُڑتی ہے۔ خوراک حاصل کرنے کے لیے زمین پر اُترنے سے پہلے آسمان پر کئی چکر لگاتی ہے۔ عام طور پر سبزہ، جڑیں اور اناج کھاتی ہے۔ اس کے علاوہ کیڑے مکوڑے اور چھپکلیاں وغیرہ بھی کھا جاتی ہے۔ مئی اور جون میں نسل کشی کرتی ہے۔ کسی جھیل یا آبی علاقے میں زمین پر ٹہنیوں وغیرہ کا گھونسلا بناتی ہے جس میں دو سبزی مائل انڈے دیتی ہے۔ نر اور مادہ انڈے سیتے ہیں۔ 29 دن میں بچے نکل آتے ہیں جو اڑھائی ماہ میں بڑے ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

خوب صورت لاہور جو اپنی خاص تاریخی حیثیت رکھتا ہے، اس کی خوش قسمتی ہے کہ یہاں ہندوستان کا ایک عظیم طاقت در اور عدل وانصاف کی شہرت کا حامل شہنشاہ محو استراحت ہے۔

دریائے راوی کے پار ایک خوب صورت باغ، نواب مہدی قاسم خاں نے تعمیر کروایا جو کہ شہنشاہ اکبر کے خاص مصاحبوں میں سے تھا۔ بعد ازاں جب مہر النساء بیگم نور جہاں کے لقب سے ہندوستان کی ملکہ بنی تو اس نے یہ باغ اپنی تحویل میں لے کر اس کے حسن میں مزید اضافہ کیا اور اسے خوب صورت فواروں اور درختوں سے مزین کیا۔ یوں اپنی خوب صورتی اور رعنائی کی بدولت یہ باغ دل کشا کہلایا اور اسی نام سے مشہور ہوا۔ کشمیر سے واپسی پر شہنشاہ کا انتقال بمقام جہلم ہوا۔ جسدِ خاکی کو لاہور لا کر باغ دل کشا میں دفن کیا گیا۔

شہنشاہ اکبر کی طرح شہنشاہ جہانگیر نے بھی امورِ سلطنت کا مرکز لاہور کو بنایا اور اسی وجہ سے ان ادوار میں لاہور نے خاصی ترقی کی شاہ جہاں نے جہانگیر کی وفات کے بعد اقتدار کی کرسی سنبھالی تو اس نے سب سے پہلے اپنے والد کا عظیم الشان مقبرہ تعمیر کروایا جو کہ آج شہنشاہ جہانگیر کی شان و شوکت اور شاہ جہاں کا حسن ذوق بیان کرتا نظر آتا ہے۔ یہ مقبرہ دس سال کی مدت میں تعمیر ہوا اور اس وقت اس کی تعمیر پر دس لاکھ روپے کی لاگت آئی۔

مقبرۂ جہانگیر خوب صورت چار دیواری کے اندر بیچوں بیچ واقع ہے۔ باغ کے گرد دو خوب صورت اور شان دار دروازے مشرق اور مغرب کی جانب بنائے گئے ہیں۔ مشرقی دروازہ دریا کی وجہ سے تباہ حال ہوا، جب کہ مغربی دروازہ آج بھی اپنے عظیم معماروں کی یاد دلاتا ہے۔

مقبرے کا مغربی صدر دروازہ خوب صورت پتھروں سے سجایا گیا ہے جس میں سنگِ مرمر کا خوب صورت کام دل کو لبھاتا ہے۔ دروازے میں سے ایک ہاتھی سوار آسانی سے گزر سکتا تھا۔ آج بھی دروازہ شان دار ماضی کا حال سنا رہا ہے۔ دروازے کے اوپری محراب کو بڑی مہارت کے ساتھ اُبھرتے ہوئے سورج اور ستاروں سے تشبیہ دی گئی اور یہ انسانی کاریگری کا خوب صورت نمونہ ہے۔

مقبرے کی عمارت مربع شکل میں پانچ فٹ اونچے پلیٹ فارم پر واقع ہے اور ہر سائیڈ 267 فٹ لمبی ہے۔ عمارت کے بیرونی

اطراف اور میناروں کے نیچے سنگ سرخ لگایا گیا ہے جب کہ سنگ سرخ کی آرائش کے لیے سنگِ مرمر کا استعمال نہایت عمدگی سے کیا گیا ہے جو کہ اپنی نظیر آپ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مغلیہ عہد کی عمارت میں تاج محل کے بعد جو عمارت خوب صورتی اور بناوٹ میں قابلِ دید ہے، وہ مقبرۂ جہانگیر ہے جو کہ شہنشاہ شاہ جہاں کے حسنِ ذوق کی کھلی تصویر ہے۔

مقبرے کے چاروں کونوں میں ہشت پہلو پانچ منزلہ اونچے مینار ہیں جن پر سنگ مرمر اور پیلے پتھروں کا کام بڑی دل کشی سے کیا گیا ہے۔ ان میناروں سے شہر کا خوب صورت منظر دیکھا جا سکتا ہے۔

جہانگیر کی قبر مقبرے کے عین وسط میں بنائی گئی ہے جس کے چاروں جانب کمرے بنائے گئے ہیں جن کی کل تعداد چالیس ہے اور ہر کمرے کے آگے برآمدہ ہے۔ برآمدے کی خوب صورتی کے لیے نقاشی کا دیدہ زیب کام ہوا ہے۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ ہر کمرے کے آگے برآمدے کا ڈیزائن مختلف ہے۔ ان کمروں میں حفاظ کرام اور علماء کرام رہا کرتے تھے جو کہ مغلیہ دورِ حکومت میں بادشاہ کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کیا کرتے تھے۔

تعویز قبر 13 فٹ لمبے اور 9 فٹ چوڑے چبوترے پر تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ چبوترہ زمین سے 1.5 فٹ اونچائی پر ہے۔ اس پر سنگ عقیق و سنگ سلیمانی و مرجان اور ابری کی مدد سے خوب صورت گل کاری کی گئی ہے۔ اس چبوترے کے درمیان میں قبر 2.5 فٹ اونچائی پر سنگ مرمر سے ہی بنائی گئی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام درج ہیں۔

مقبرے پر کوئی گنبد نہیں ہے بلکہ کہا جاتا ہے کہ مقبرے کی عمارت تین منزلہ تھی اور موجودہ عمارت کے اوپر ایک بارہ دری تھی لیکن سکھ دورِ حکومت میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مغلیہ شان و شوکت کی حامل اس عمارت کو شدید نقصان پہنچایا اور اس کی بارہ دری کو اتروا کر بادشاہی مسجد اور شاہی قلعہ کے وسط میں لگوا دیا جو اب حضوری باغ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ حکومتِ پاکستان نے مقبرے کو آثارِ قدیمہ کی فہرست میں شامل کیا ہے اور اس عمارت کی بحالی پر خصوصی توجہ دی ہے

کیوں کہ زندہ قومیں اپنے آباء و اجداد کے عظیم الشان ماضی کو یاد رکھتی ہیں تاکہ ان کا مستقبل تابناک ہو۔

یاد رہے کہ مقبرۂ جہانگیر 1627ء میں تعمیر ہونا شروع ہوا اور 1637ء میں مکمل ہوا۔

☆☆☆

معاذ اپنی امی کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ بہت اچھا بچہ تھا لیکن اسے بھولنے کی بہت بُری بیماری تھی۔ ان کی امی جان اُسے ایک کام دن میں بیسیوں دفعہ کہتیں لیکن ایسے لگتا جیسے وہ امی جان کی بات ایک کان سے سنتا اور دوسرے سے نکال دیتا۔ اس کمزوری کی وجہ سے اس سے ہمیشہ مضحکہ خیز حرکات سرزد ہوتی رہتیں۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا کہ ناشتے کے وقت وہ چائے کا پانی اُبلنے کے لیے رکھ دیتا لیکن اس میں پتی ڈالنا بھول جاتا۔ کبھی وہ کافی میں نمک ڈال دیتا اور کبھی انڈے میں چینی۔ ایک دفعہ اس نے دستانے اپنے پیروں کے نزدیک رکھ لیے اور بوٹ ہاتھوں میں پہن لیے۔ اب آپ خود اندازہ کریں اس کے بھلکڑ پن کا۔

وجہ صرف یہ تھی کہ وہ ذہن کا استعمال نہیں کرتا تھا۔ پھر ایک دن اس نے ایسی حرکت کی جس سے امی جان واقعی بہت پریشان ہوگئیں۔ وہ اپنے کتے کو سیر کرانے لے گیا۔ اس نے کھیتوں میں رس بھری لگی ہوئی دیکھیں۔ اس نے کتے کو باندھ دیا اور خود مزے سے انہیں کھانے لگا۔ اسے بالکل احساس نہیں ہوا کہ جہاں اس نے کتا کھونٹے سے باندھا تھا وہاں ایک موٹی تازی گائے بھی قریبی کھونٹے سے بندھی ہوئی تھی۔ گائے کا مالک کسان کچھ ہی دیر پہلے اسے باندھ کر قریب ہی اپنے گھر گیا تھا۔ جب معاذ رس بھری کھا کر فارغ ہوا تو وہ کھونٹے کے پاس گیا اور رسی کھولی اور اس جانور کو ساتھ لے کر چلا جسے وہ اپنا کتا سمجھتا تھا۔ حالانکہ اس نے غلط جانور کو کھولا تھا اور اب جس جانور کو وہ لے کر جا رہا تھا، وہ دراصل کسان کی گائے تھی۔ معاذ کو اس بات کا قطعی علم نہیں ہوا۔ وہ سیدھا اپنے گھر کی طرف بڑھتا گیا اور پھر گھر میں گائے سمیت داخل ہوگیا اور کتا سمجھ کر گائے کو اس کے بستر میں سلانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی امی نے سارا ماجرہ دیکھا تو حیرانی سے چیخ کر بولیں۔ ''معاذ تم اس گائے کو گھر کے اندر کیوں لے کر آئے ہو؟'' فوراً اسے گھر سے باہر لے کر جاؤ۔ غضب خدا کا۔ معاذ پتا نہیں تم آئندہ زندگی میں کیا کرو گے؟ میں تو اب تم سے ویسے ہی خوفزدہ ہوچکی ہوں، میرے اتنے صاف ستھرے باورچی خانے کا تم نے بیڑہ غرق کردیا ہے۔ میں نے اس طرح کی چیز ساری زندگی نہیں دیکھی۔''

جب معاذ کو ہوش آیا تو وہ مسلسل گائے کو حیرت سے گھورے جا رہا تھا۔ وہ بولا۔ ''یہ کیسے ہوسکتا ہے، میں تو کتا ٹہلانے لے کر گیا

تھا۔ ظاہر ہے گائے تو کتے کے بستر میں پوری نہیں آسکتی۔" معاذ کی امی تو دو دن خوف سے بیمار ہوگئیں اور وہ بہت ناراض بھی تھیں۔ انہوں نے بہت غصے سے معاذ سے بات کی جسے اسے بہت غور سے سننا پڑا۔ انہوں نے کہا۔ "تم جانتے ہو معاذ اب تم بڑے ہو رہے ہو، اگر تم اتنے ہی بھلکڑ رہے تو اس معاشرے کے لیے کسی صورت بھی مفید ثابت نہیں ہوسکتے۔ اب مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ ہر بات یاد رکھو گے اور اس طرح کی حرکت دوبارہ نہیں ہوگی۔"

معاذ نے امی کو پہلی دفعہ اتنی سختی سے بات کرتے دیکھا تھا، وہ واقعی خوف زدہ ہوگیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ روتا ہوا بولا۔ "امی جان میں کوشش کروں گا کہ آئندہ کوئی چیز نہیں بھولوں گا۔ مجھے معاف کردیں اور ایک اور موقع دیں۔" اس کی امی بولیں: "ٹھیک ہے مجھے اُمید ہے کہ آئندہ مجھے شکایت کا موقع نہیں دو گے۔"

اس سہ پہر معاذ کی امی کو ڈاک سے ایک پارسل ملا۔ پارسل میں بڑی خوبصورتی سے پیک کیے ہوئے تین مزے کے کیک تھے، بہت سے میٹھے بن تھے، چاکلیٹ کا ڈبہ تھا، بسکٹ تھے اور سرخ سیب تھے۔ معاذ کی امی خوش ہوگئیں وہ بولیں۔ "معاذ یہ تمہاری خالہ زہرہ کی طرف سے ہے۔ وہ مجھے بہت محبت کرتی ہیں اور آج تم نے بھی سارا دن کوئی شرارت نہیں کی۔ چلو، تمہاری دعوت کرتے ہیں اور تم نے وعدہ بھی کیا ہے کہ اچھے بچے بنو گے۔ ہم کل تمہارے دوستوں کی دعوت کرتے ہیں اور انہیں یہ مزے مزے کی چیزیں کھلاتے ہیں۔"

معاذ خوشی سے پھولا نہ سمایا اور کہنے لگا۔ "امی جان آپ کا بہت بہت شکریہ۔" امی بولیں۔ "اب آرام سے بیٹھ جاؤ اور خوش خط بارہ دعوت نامے لکھو اور یہ تحریر کرو...... "محترم کیا کل 4 بجے سہ پہر آپ ہمارے گھر تشریف لا سکتے ہیں۔ جواب دینے کی تکلیف نہ کریں، صرف آجائیں۔ مشکور...... معاذ۔" معاذ بیٹھ گیا اور وہی کیا جو اس کی امی جان نے اسے کہا۔ امی نے دعوت نامے دیکھے اور مطمئن ہو کر کہنے لگیں یہ ٹھیک ہیں۔ اور اب انہیں ڈاک کے ذریعے بھجوا دو۔ معاذ نے ٹکٹیں چسپاں کیں، تمام دعوت نامے بہت احتیاط سے اپنی جیب میں ڈالے اور ڈاک خانے چلا گیا۔ وہ دعوت کا سوچ کر بہت جوش میں تھا۔ یہ پہلی دعوت تھی جو وہ دوستوں کو دے رہا تھا۔ جب تک وہ گھر واپس آیا تو ان کھیلوں کی فہرست بھی تیار کر چکا تھا جو وہ کل دوستوں سے کھیلنے والا تھا۔ اپنے کھلونے وہ اچھی طرح صاف کر چکا تھا۔

اگلے دن امی جان نے اسے کہا۔ "آج تم کام میں میری مدد کرو گے، کرسیاں مختلف کمروں سے اکٹھی کر کے بڑے میز کے اردگرد لگاؤ۔ پھر بازار جاؤ اور تازہ مکھن خرید کر لاؤ۔ پھر اپنے سب سے اچھے کپڑے نکال کر انہیں تیار کرو اور دیکھو کوئی بٹن ٹوٹا ہوا نہ ہو۔" سارا

دن معاذ نے بہت محنت سے کام کیا۔ وہ بہت خوش تھا۔ وہ بولا۔ ''امی جان! آج میں کچھ بھی نہیں بھولا۔ میں ہوشیار ہو گیا ہوں۔ اب میں چیزیں بھولنا چھوڑ چکا ہوں۔''

پھر تین بجے سہ پہر معاذ نے اپنے بہترین کپڑے پہنے۔ اس نے میز سجایا۔ چیزیں دیکھ کر اس کے منہ میں پانی آ رہا تھا۔ چار بجے وہ کھڑکی سے جھانک کر دیکھنے لگا کہ سب سے پہلے کون آ رہا ہے لیکن اسے دُور دُور تک کوئی آتا دکھائی نہیں دیا۔ اسے لگا جیسے گھڑی وقت غلط بتا رہی ہے۔ دس منٹ اور گزر گئے لیکن پھر بھی کوئی نہیں آیا۔ امی جان میز پر پلیٹیں سجا رہی تھیں وہ بولیں۔

''تمہارے مہمان لیٹ ہو گئے ہیں۔ بظاہر تو اس کی کوئی وجہ نہیں۔ معاذ تمہیں کوئی آتا دکھائی دے رہا ہے یا نہیں؟'' پریشان معاذ کہنے لگا۔ ''نہیں امی! ہوسکتا ہے مہمانوں میں سے کچھ نہ بھی آسکیں، لیکن شاید کوئی آیا ہے۔''

وہ صرف غباروں والا تھا۔ اس کے علاوہ بڑی دیر تک کوئی ادھر سے نہیں گزرا۔ گھڑی پر ساڑھے چار بج گئے۔ امی بہت حیران تھیں۔ میز پر ہر نعمت سجی ہوئی تھی اور کوئی انہیں کھانے والا نہیں تھا۔ کھیلوں کی فہرست بھی سامنے پڑی ہوئی تھی۔ آخر کیا مسئلہ ہوا ہے؟

آخر کار جب گھڑی نے پانچ بجا دیے اور پھر بھی کوئی نہیں آیا تو امی نے معاذ کو کہا کہ جا کر نوی کا پتا کرو، اس کا گھر تو قریب ہی ہے۔ پھر سیمی کے گھر جاؤ اور آخر میں بنٹی کا پتا کرو۔ معاذ دوڑتا ہوا گیا۔ اس نے نوی کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ نوی کی خالہ نے دروازہ کھولا۔ معاذ نے پوچھا۔ ''خالہ! نوی دعوت پر کیوں نہیں آیا؟'' خالہ حیرانی سے بولیں۔ ''اسے تمہاری دعوت کا تو علم ہی نہیں۔ وہ اپنے خالہ زاد بھائی کے ساتھ کھیلنے باہر گیا ہے۔'' پھر معاذ بھاگم بھاگ سیمی کے گھر گیا اور اس کی امی سے پوچھا۔ ''سیمی دعوت پر نہیں آئی؟'' سیمی کی امی حیران ہو کر بولیں۔ ''کون سی دعوت! اسے تو کسی دعوت کا علم نہیں، وہ تو چڑیا گھر گئی ہوئی ہے۔'' یہ ماجرہ بہت حیران کن تھا۔ بنٹی کے گھر سے بھی اسے ایسا ہی جواب ملا۔ بنٹی کی امی نے پوچھا۔ ''معاذ! بنٹی کو دعوت کا علم نہیں، کیا تم نے اسے دعوت نامہ لکھا تھا؟''

معاذ بولا۔ ''جی ہاں! لکھا تھا۔'' بنٹی کی امی کہنے لگیں۔ ''وہ تو اپنے چچا کے ہاں گیا ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے۔'' معاذ روتا ہوا گھر واپس آیا۔ اس نے تمام معاملہ اپنی امی کو بتایا۔ وہ حیران تھیں، انہوں نے کہا۔ ''معاذ! اب رونا بند کرو۔ تمہاری آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔ آنکھیں پونچھو! تمہارا رومال کدھر ہے؟'' ''وہ میں نے دوسرے کپڑوں میں رکھا ہے، میں لے کر آتا ہوں۔'' معاذ جواب دیا۔ اس نے اتارے ہوئے کپڑوں کی جیبوں میں ہاتھ ڈالا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ ارے یہ کیا؟ اس نے جیب سے بارہ کے بارہ دعوت نامے نکال لیے۔ معاذ کھلی آنکھوں سے انہیں دیکھتا ہی جا رہا تھا۔ یہ وہی دعوت نامے تھے جو ایک دن قبل اس نے خود اپنے ہاتھوں سے لکھے تھے۔

وہ ڈرتا ہوا باورچی خانے میں گیا اور روتا ہوا امی سے بولا۔ ''امی! امی! میں نے کل اپنا رومال پوسٹ بکس میں ڈال دیا تھا اور دعوت نامے مجھے جیب سے ملے ہیں۔ اوں...... اوں''

ماں سخت ناراض ہو کر بولیں۔ ''تمہاری بے وقوفیوں سے میں تنگ آ چکی ہوں۔ ساری چائے ضائع ہو گئی۔ مجھے تم سے ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے۔ تم نے کل ہی مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنا دماغ استعمال کیا کرو گے اور پھر دعوت ناموں کے بجائے اپنا رومال پوسٹ بکس میں ڈال آئے ہو۔ میں آئندہ تم سے بات نہیں کروں گی۔ اگلی دفعہ تم نے کوئی بے وقوفی کی تو میں سزا کے طور پر تمہیں تمہارے چچا آصف کے پاس بھیج دوں گی۔ تمہیں ان کی سخت طبیعت کا اندازہ ہے۔ وہ تم سے خود ہی نمٹ لیں گے۔''

امی نے یہ کہہ کر اپنے کندھوں پر شال اوڑھی اور گھر سے نکل گئیں اور کچھ دیر کے بعد اپنی سہیلیوں کے ساتھ واپس آئیں اور چائے کے ساتھ دوسری چیزیں کھانا شروع کر دیں۔ کسی نے معاذ کو اہمیت نہ دی۔ وہ سب جانتی تھیں کہ وہ کتنا بے وقوف ہے۔ معاذ مایوس ہو کر اپنے کمرے میں اپنے بستر پر جا لیٹا۔ وہ بہت افسردہ تھا۔ اسے پتا تھا کہ امی اسے چچا کے پاس بھیج دیں گی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے اپنا ذہن استعمال کرنا چاہیے۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ مستقبل میں خیال رکھے گا۔

بچو! آپ کو جان کر خوشی ہوگی کہ آخر کار اس نے سبق سیکھ ہی لیا۔ کئی لوگوں نے رومال والی بات سنی اور اس کی ہنسی اڑائی، جس سے وہ بھی اپنی بے وقوفی بھول نہیں سکا اور اب اس کا ذہن بھی اتنا ہی چلتا ہے جتنا کسی اور کا۔ ☆☆☆

بلاعنوان

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجیے اور 500 روپے کی کتب لیجیے۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10 / جنوری 2017ء ہے۔

دسمبر 2016ء کے "بلاعنوان کارٹون" کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، ان میں سے مجلسِ ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، ان عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔

- انگلش بکرے چلے تھے پکنک منانے، یہاں آئے تو ہو گئے "کوک" کے دیوانے (ملک عبدالقدوس، خانیوال)
- وقت نے کیسا پلٹا کھایا، بکروں کو بھی فیشن آیا (محمد طیب، راولپنڈی)
- بکرے ہو گئے اب پڑھے لکھے، اپنی کیئس کوئی ان سے سیکھے (محمد بلال صدیقی، کراچی)
- پہن کے چشمہ کوٹ اور ٹائی، افسر بن کے کوک آزائی (فائزہ وحید، بھیرو وال)
- کر لو عیش بکرے میاں مگر رکھنا یاد ہماری بات، چار دن کی چاندنی ہوتی ہے پھر اندھیری رات (محمد حمزہ لغاری، میاں والی)

ماہ نور ملک گورائیہ، گوجرانوالہ (پہلا انعام: 195 روپے کی کتب)
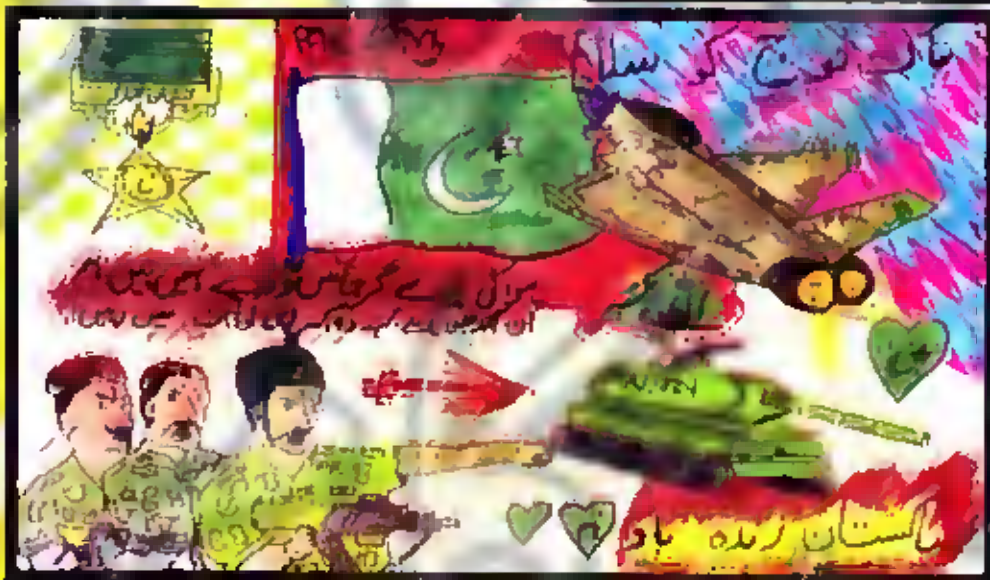
عبداللہ ارشد، گوجرانوالہ (تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

فائزہ رضا، گجرات (دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)

ردا بٹ، لاہور (پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب)
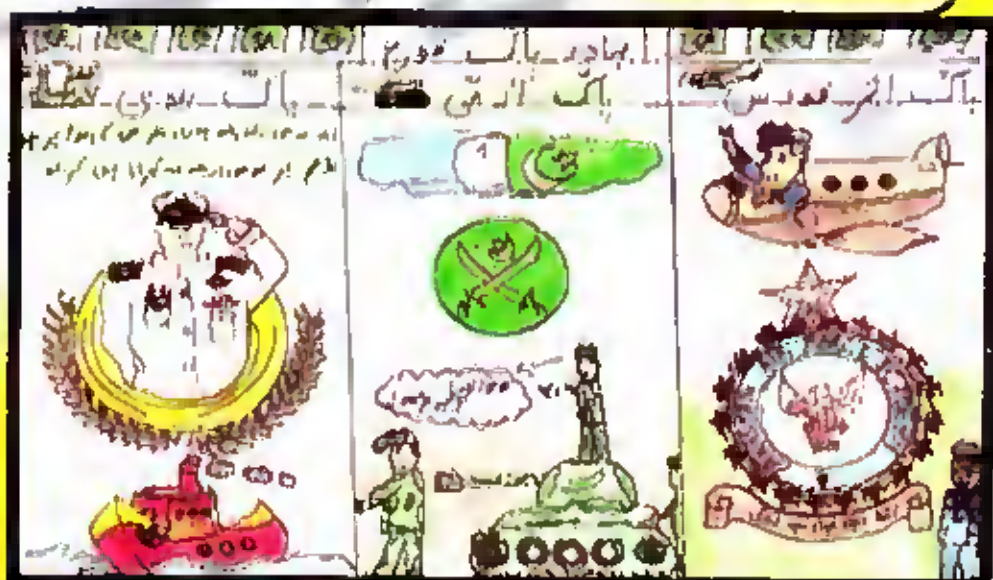
سید تحریم مختار، لاہور (چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی: محمد شیراز، گوجرانوالہ۔ عاقب فرید گھلو، احمد خان، زینب ابوبکر، گوجرانوالہ۔ سید تیمور غنی خالد، جھنگ صدر۔ عائشہ غالب، گوجرانوالہ۔ جویریہ طارق، راول پنڈی۔ علیجہ نور، لاہور۔ ادیبہ بشیر، سیال کوٹ۔ حمیرا خاتون۔ آمنہ حسن، راول پنڈی۔ ساریہ نعمان، لاہور۔ نجم الصباح ازل، میانوالی۔ آمنہ مجاہد وزیر، راول پنڈی۔ محمد اسد اللہ طارق، اسلام آباد۔ عائشہ صدیقہ، راول پنڈی۔ محمد بن حسن، لاہور۔ ندا ارشد ملک، راول پنڈی۔ عاتکہ فیاض، رائے ونڈ۔ محمد زبیر ارشد، لاہور۔ عائشہ نذیر، کراچی۔ امتیاز عالم، واہ کینٹ۔ لائبہ بشیر، قلعہ دیدار سنگھ۔ عبدالغفور حیدری، کراچی۔ نورین اشفاق، رحیم یار خان۔ جلال عابد بٹ، وینہ۔ عنل ہما، حیدر آباد۔ سجاد حیدر، کراچی۔ ثوبیہ سلیم، لاہور۔ رانا عبداللہ، ملتان۔ سعود الحسن، خانیوال۔ نور الامین، اسلام آباد۔ بشریٰ بتول، رسال پور۔ مریم اشفاق، فیصل آباد۔ ندیم بیگ، نوشہرہ۔ محمد سلیمان بٹ، ساہی وال۔ عثمان حیدر، پشاور۔ ایان جنید، حیدر آباد۔ عروسہ خالد، اٹک۔ ارشاد اسلم، گجرات۔ محمد عبداللہ جاوید، کراچی۔ محمد جنید خان، کوہاٹ۔ آسیہ امین، لاہور۔

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر مصور اپنا نام، عمر، کلاس اور پورا پتا لکھے اور اسکول کے پرنسپل یا ہیڈ مسٹریس سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔

فروری کا موضوع
بسنت میلہ
آخری تاریخ 8 فروری

جنوری کا موضوع
کرکٹ میچ
آخری تاریخ 8 جنوری

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

طلبہ و طالبات کے لیے فیروز سنز کی معیاری لُغات

ہدایات برائے آرڈرز:

پنجاب: 60۔ شاہراہ قائداعظم، لاہور۔ 042-111-626262

سندھ اور بلوچستان: پہلی منزل، مہران ہائٹس، مین کلفٹن روڈ، کراچی۔ 021-35867239-35830467

خیبر پختونخواہ، اسلام آباد، آزاد کشمیر اور قبائلی علاقے: 277۔ پشاور روڈ، راول پنڈی۔ 051-5124970-5124897